UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222094
UNIVERSAL
LIBRARY

p—29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Accession No. ۹۲۴۰
9240

ok should be returned on or before the date last marked below.

شریر بیوی کا دیباچہ

ازجناب ریاض حسین صاحب بی اے

مغرب میں فسانہ نویسی کا مقصد محض تفریح و تفنن [illegible] ہوتا [illegible]

[illegible] نویس اس سے بلند و برتر مقصد پیش نظر رکھتا ہے [illegible]

[illegible] اصلاح [illegible] اور نئے خیالات کی ترویج [illegible]

[illegible] ہے۔ وہ سوسائٹی کے عیوب و نقائص کو بے نقاب [illegible]

[illegible] خامیوں کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ اور ایسے دل کش پیرایہ میں [illegible]

[illegible] ان کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم ہی اس بید [illegible]

[illegible] مشق ہیں۔ ان سب باتوں کو نہ صرف مزے لے لے کر پڑھتے

ہی [illegible] ان کا دل ان باتوں سے متاثر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک

[illegible] شدہ افکار [illegible] پر انقلاب سا آجاتا ہے۔ [illegible]

[illegible] قوم کی [illegible] بہا خدمات انجام دے

اردو [illegible] اگرچہ مولٰنا نذیر احمد مرحوم۔ مولٰنا [illegible]

[illegible] اور [illegible] متعدد اہل قلم نے اس نوع کے [illegible]

Checked 190-

لکھے ہیں۔ اور وہ اردو کے لئے سرمایۂ ناز ہیں لیکن ایسی تصنیفات کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ اور ابھی ضرورت ہے کہ اس طرف مزید توجہ دی جائے۔ اور اردو کے دامن کو اس متاع سے بھی مالا مال کیا جائے +

مرزا عظیم بیگ صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی کا ہمیں ممنون ہونا چاہئے کہ اُنہوں نے "شریر بیوی" ایسی دلکش کتاب لکھ کر اسی نوع کی تصنیفات میں ایک قابلِ قدر اضافہ فرمایا ہے +

یہ ایک المناک حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو رسمی ... کی جکڑ بندیوں نے بہت حد تک عضوِ معطّل بنا رکھا ہے۔ اور اس کا منفی ... مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے ہر شعبہ پر پڑ رہا ہے۔ عورتیں مردوں کی ... اور معاون ہونے کی بجائے اکثر اُن کے لئے وبال ثابت ہوتی ہیں کہنے کو تو بیوی کے لئے "رفیقۂ حیات" اور "مونسِ زندگی" ایسے خوش آئند ... موجود ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں یہ الفاظ شرمندۂ معنی نہیں ہیں۔ اور اگر ... قدرت نے "شمعِ انجمن" بننے کے بجائے "چراغِ خانہ" بننے کے لئے پیدا کیا ہے ... اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ منزلِ زندگی میں مرد کی سچی رفیق اور حقیقی معاون ... کی بجائے اس کے لئے بارِ دوش بنی رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ... شرعی پردہ کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہ... ہر وقت اور ہر جگہ مرد کے طاقتور اور مضبوط بازو کا سہارا ڈھونڈھنے کی ... ہے۔ کارزارِ حیات کی کٹھن منزلوں کو طے کرنے اور ناگہانی مصیبتوں ... پر تنہا مقابلہ کرنے کے بھی قابل ہو صنفِ نازک کے لئے ضرور...

نہیں کہ وہ صنفِ ضعیف بھی ہو۔ اس کی شرم وحیا بدنصیب معصومہ کی طرح اسے بیکس و بے بس نہ بنا دے۔ کہ وہ ہر بدمعاش کی ہوسناکی کا آسان شکار بن جائے۔ بلکہ اس کی شرم وحیا اس کے لئے حصنِ حصین کا کام دے۔ جس پر بدمعاش اور بدطینت لوگوں کو نظر ڈالنے کی جرأت ہی نہ پڑے۔ آوارہ لفنگوں کے لئے اس کی ایک پُر ملامت نگاہ حوصلہ شکن اور اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ ہمت فرسا نہ ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ ضرورت کے وقت وہ ایسی کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کرے۔ جس کے ذریعے بدمعاش کو اُس کی بدمعاشی اور بدطینتی کی سزا دی جاسکے۔

"شریر بیوی" ظرافت کے پیرایہ میں ازدواجی زندگی کا ایک دلکش مرقع ہے جس میں شوہر اور بیوی دو زندہ دل بے تکلّف دوست ہیں۔ جو بازوؤں [illegible] ڈالے ہنسی خوشی زندگی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] اور [illegible] دلی نے اُن کی زندگی کو ایک مسلسل قہقہہ بنا رکھا ہے۔ بیوی صحیح معنوں [illegible] رفیقۂ حیات اور شوہر کی دمساز ہے۔ شوہر بھی اُسے زرخرید لونڈی یا ناقص العقل ہستی نہیں بلکہ اصلی معنوں میں شریکِ زندگی سمجھتا ہے۔ اور زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں میں اس کی معیت کو ناگزیر خیال کرتا ہے۔ وہ بیوی کو 'اے' 'اجی' جی وغیرہ کے بھدّے الفاظ سے نہیں بلکہ دوست کے بے تکلف لفظ سے خطاب کرتا ہے۔ وہ بیوی کا ذکر کرنے میں رسمی جھجک اور تصنع سے کام نہیں لیتا۔ اُسے اپنی بیوی کی پاکبازی اور نیک طینتی پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اور وہ اس کی عقل وفراست کا قائل ہے۔ اسی لئے وہ بعض اوقات بیوی کو نہایت [illegible] تجربے کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور [illegible]

ہے۔ کہ اس میں وہ کہیں کہیں حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔ چنانچہ خود مصنف کو اس کا اعتراف ہے۔ اور "دوست کی حماقت" کے خاتمہ پر وہ رقمطراز ہے :۔

"اس تجربہ سے ہمیں معلوم ہوا۔ کہ دراصل ہمارا اور ہماری بیوی کا اصول غلط تھا۔ شرارت اور آزادی کی ضرور کوئی حد ہونا چاہئے۔ اور اس حد آزادی کو ہر شخص اپنی ضروریات کے مطابق مقرر کر سکتا ہے"۔

ایک مغربی مصنف کا قول ہے۔ کہ "شوخ و شریر لڑکیاں نیک اور فرمانبردار بیویاں بنتی ہیں"۔ شریر بیوی کا کردار اس مقولہ کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔ اس میں شوخی ہے۔ لیکن وہ شوخی جو حسن و رعنائی کا خاصہ ہے۔ اس میں شرارت ہے۔ لیکن وہ شرارت جو زندہ دلی اور ظرافت کی پیداوار ہے۔ تمام شوخی و شرارت کے باوجود اس کی شوہر سے محبت پرستش کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ان خوبصورت لفظوں میں اقرار کرتی ہے۔ کہ

"جو تم کہو۔ وہ صحیح ہے۔ کہہ چکی۔ کہ میرا مذہب ہو تو تم ہو۔ اور ایمان ہو تو تم ہو۔ مگر میں اب بغیر اپنی آنکھیں پھوڑے نہ رہونگی۔ میرا مذہب ہے کہ اگر ایک چیز میری آنکھیں دیکھیں۔ کہ ہے۔ مگر تم کہو۔ کہ نہیں، تو میری آنکھیں جھوٹی اور تم سچے"۔

وہ شوہر کی رضاجوئی کو اپنا ایمان سمجھتی ہے۔ اور اپنے جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے عام عورتوں کی سطح سے بلند ہو کر خاوند کے لئے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں کرتی ہے :۔

"جس میں تم خوش ہو۔ اس میں میں خوش اور میرا خدا خوش۔ میں اُن

عورتوں میں سے نہیں ہوں۔ جو میاں کو خواہ مخواہ تنگ کریں۔
میں خوب جانتی ہوں کہ تم میرے ہی ہو۔ خواہ بد چلنوں میں بیٹھو
خواہ نیک چلنوں میں۔ میں اگر تم کو روکونگی تو خوشامد اور خدمت سے
نہ کہ لڑ جھگڑ کر۔ مگر افسوس تو مجھ کو اپنی قسمت پر آتا ہے۔ کہ تم نے
میری قدر نہ کی۔ مجھ کو کم ظرف سمجھا۔ اور مجھ سے سچ سچ نہ کہا۔ یہ
تو تمہارے دوست کی رنڈی ہے۔ اگر کہیں خدا نہ کرے تمہاری لڑائی
ہوتی۔ تو کیا میں اُسکی یا تمہاری خدمت نہ کرتی۔ خدا نہ کرے۔ کہ
ایسا ہو۔ مگر بخدا اگر ایسا ہوا۔ تو تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے" +

اگر عورتیں اپنے بدچلن شوہروں کو درست کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کریں۔
اور شریر بیوی کے جادو بھرے لفظوں میں اُن سے اپیل کریں۔ تو یقین ہے
کہ اُنہیں سو فیصدی کامیابی ہوگی +

جسقدر شریر بیوی کی طبیعت میں شوخی اور شرارت ہے۔ اسیقدر اسکا
دل حساس اور رقیق واقع ہوا ہے۔ غلط فہمی کے سبب اسے خیال ہوتا ہے۔
کہ اُس کا شوہر خفیہ خفیہ کسی رنڈی سے ملتا ہے۔ تو وہ رنج و غم سے نڈھال ہو
جاتی ہے لیکن اُس کا رنج و غم رقابت کی وجہ سے اتنا نہیں۔ جتنا اس وجہ سے
ہے کہ شوہر نے اس راز کو اس سے چھپائے رکھا۔ وہ شوہر کے اعتبار کو سرمایۂ
زندگی سمجھتی ہے۔ اور اس اعتبار کا اُٹھ جانا اس کیلئے ہلاکت سے کم نہیں۔ چنانچہ وہ کہتی ہے

"تمہارا اعتبار جب میرے اوپر سے اُٹھ گیا۔ تو میں کیونکر زندہ
رہ سکتی ہوں۔ اگر کسی بازاری عورت سے تم ملو اور مجھ

تو خیر کچھ نہیں لیکن وہ گھر میں آئے اور تم مجھ سے چھپاؤ۔ تو اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ میری موت قریب ہے۔ مجھ کو ابتک فخر تھا۔ کہ میں تمہاری رازدار ہوں"۔

الغرض شریر بیوی کا کردار اپنے اندر ایک جاذبیت اور دلکشی لئے ہوئے ہے۔ وہ شریر ہوتے ہوئے بھی بہترین اوصاف کی مالک ہے۔ اور ان خوبیوں سے وہ اپنے شوہر کی زندگی کو بہشت بنائے ہوئے ہے۔ اُس کے کارنامونکو پڑھتے پڑھتے ناظرین کے دل میں خود بخود اُس کے لئے ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور دل اُس کی شوخی اور شرارت پر اسے ملامت کرنے کی بجائے اُس کے لئے تعریف و توصیف کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے +

فاضل مصنف نے فلسفۂ عصمت پر بھی ایک چھچلتی سی نظر ڈالی ہے۔ اور نئے زاویۂ نگاہ سے اس پر ایک لطیف بحث کی ہے۔ جس کے لئے وہ مستحق داد ہیں +

مجھے یقین ہے۔ کہ یہ تصنیف بہت سے لوگوں کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کو کم کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور انہیں اپنے طرزِ عمل میں بہتر تبدیلی پیدا کرنے پر مائل کریگی +

ریاض۔ بی۔ اے

کرتے ہوئے میں ہاتھ مار کر گرا دیا اور یہ جا وہ جا۔ وہ بے تحاشا ہماری طرف دوڑا مگر
ہماری خوش قسمتی سے اس کو پاخانہ اس زور سے لگا۔ کہ ہم نے مڑ کر جو دیکھا۔ تو وہ
پاخانہ پھر رہا تھا پھر تو ہم نے اس کو مارے اینٹوں کے پریشان کر دیا۔ غرض اس
فرض کو انجام دے کر کچھ دور گئے تھے کہ دیکھا ایک پہلوان صاحب تہ بند باندھے
چلے جا رہے تھے۔ ان کے قدم ایسے پڑ رہے تھے۔ کہ ہمارے منہ میں پانی بھر
آیا۔ کہ کاش کہ ہم ان سے بھی کچھ دلچسپی لیتے اور کم از کم ان کی مضبوط پنڈلیوں میں
پیر اڑا کر گراتے۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا۔ کہ یہ ہم کو ضرور مارے گا۔ ہم اس کی رائے
نہیں دیتے۔ ہم نے کہا خواہ جان جائے یا رہے۔ ہم اس کو ضرور ایک منگڑی دیں
گے۔ ہمارے ساتھی گھبرا کر الگ ہو گئے۔ مگر ہم نے اللہ کا نام لے کر پیچھے سے جا کر
[illegible] پیر ایسا اڑایا۔ کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے۔ وہیں سے پہلوان صاحب
جوتا لے کر اٹھے۔ اور اٹھتے اٹھتے انھوں نے جوتہ پھینک کر مارا۔ جو ہمارے پیٹھ میں
لگا۔ ہم نے حماقت کی۔ جو مڑ کر دیکھا۔ کیونکہ چشم زدن میں ہم پکڑ لئے گئے۔ اور پہلوان
صاحب نے ہمارے ایک طمانچہ ایسا مارا کہ اگر ہم اپنے ہاتھ پر نہ روکتے۔ تو شاید ہمارا منہ
پھر جاتا۔ دوسرا پڑنے ہی کو تھا کہ ہمارے ساتھی نے ان کی سونے کے کام کی ٹوپی
پھینک کر اپنی جان بچائی۔ بہت الٹا سیدھا چکر دے کر راہ کاٹی۔ ہم چلے جاتے
تھے۔ کہ ایک صاحب نے ہم کو ایک دکان سے پکارا۔ کہ میاں صاحبزادے ذرا
بات سن جاؤ۔ ہم جو پہونچے۔ تو انھوں نے ایک خط پیش کیا۔ کہ یہ بڑا ضروری خط ہے
ذرا پڑھ دو۔ ہماری جان ہی تو جل گئی۔ ہم ذرا دکان سے ہٹ کر خط کو چاک کر کے
مع اپنے ساتھیوں کے ایسا بھاگے۔ کہ کان میں گالیوں کی بھی خوشگوار آواز

پہنچ سکی۔ ذرا آگے پہنچے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہم کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ ان میں لڑائی ہو۔ ہم نے بھی شرکت کی اور بالکل الضاف سے کام لیا۔ کہ دونوں کو مارنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں لڑائی چھوڑ کر ہم پر حملہ آور ہوئے مگر ہم بھلا کہاں ہاتھ آتے تھے۔ دور سے دیکھا کہ ان دونوں میں صلح تھی۔ کیوں کہ دونوں ساتھ چلے جا رہے تھے۔ پیاس بہت لگ رہی تھی ایک نل پر پہنچ کر ہم نے پانی پیا۔ پاس ہی ایک کتاب والے نے ایک بڑی سی چٹائی بچھا کر دکان لگائی تھی۔ ہم نے جو غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ نل سے جو پانی بہہ کر ضائع جا رہا ہے۔ بڑی آسانی سے ایک کچی منڈیر توڑ کر اس طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ کہ ان کتب فروش صاحب کی دکان کو سیراب کر دے۔ چنانچہ فوراً اس پر عملدرآمد کیا گیا۔ اور ہم کو اس میں وہ لطف آیا۔ کہ بیان سے باہر ہے کتب فروش صاحب اپنی کتابوں کو بچانے کے لئے اس بری طرح کودتے پھاند رہے تھے۔ کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ کچھ آگے بڑھ کر ہم نے دیکھا۔ کہ ایک ساقی صاحب ایک زبردست حقہ لئے چلے آ رہے ہیں۔ چلم کے سر پر گویا ایک بے چندوے کی ٹرکش کیپ رکھی تھی۔ اور کوئلے چوٹی تک بھرے ہوئے خوب دہک رہے تھے۔ ہم لوگ سلام علیک کر کے آگے بڑھے۔ اور حقہ گڑگڑانے لگے ہمارے دوسرے ساتھی حقہ کی تعریف میں مشغول تھے۔ اور ساقی صاحب کو باتوں میں لگائے تھے۔ ہم نے آنکھ سے اشارہ کیا اور ایک لمبی سانس لے کر اپنے دونوں پھیپھڑوں کی قوت صرف کر کے زور سے جو حقہ کو پھونکا تو پانی چلم کے اندر پہنچا۔ ادھر ساقی صاحب کوئلوں کے بجھنے کی آواز سے چلم کی

طرف متوجہ ہوئے ہی تھے۔ کہ ہم سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ نہ معلوم کتنی گالیاں سنیں کچھ
اور فاصلہ پر جا کر ہم نے پتنگ بازی دیکھی اور کچھ دور بھی لوٹی جو پھینک پھانک دی
یچھے ہی ددر گئے تھے کہ سامنے سے مس ولیم اپنی بائیسکل پر آتی نظر پڑی یہ ایک
لڑکی تھی جو مشن اسکول میں پڑھتی تھی۔ اور ہم سے بہت ڈرتی تھی۔ کیونکہ ہم موقع بموقع
جب کبھی اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھتے تو اپنی سائیکل کی ہوا نکال کر کھڑے
ہو جاتے۔ اور سائیکل روک کر اس کا پمپ لے کر خوب دیر لگا کر ہوا بھرتے
ہم نے اس کو اتنا تنگ کیا تھا۔ کہ ہر جگہ اس کو روکتے تھے۔ نوبت یہاں تک
پہنچی کہ ایک روز ہم پکڑ کر اس کے باپ کے بنگلہ پر لے جائے گئے۔ لیکن وہاں
بجائے مارے جانے کے ہماری خاطر ہوئی۔ اور کیک کھانے کی نوبت آئی
نتیجہ کا یہ ہوا۔ کہ مس صاحبہ الٹی ڈانٹی گئیں۔ اور ہم سے کہا گیا کہ تم ضرورتاً
ان سے پمپ مانگ کر سائیکل میں ہوا بھر لیا کرو۔ مس موصوفہ نے ہم سے
مصالحت ان شرائط پر کی تھی۔ کہ ہم کو دیکھتے ہی سائیکل سے اتر کر سڑک پر
ڈال دیتی تھی۔ اور ہم محض سلام ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ حالانکہ ہمارے پاس
سائیکل نہ تھی۔ مگر ہم نے آگے آکر روکنا چاہا۔ فوراً اتری وصول کر کے فوجی سلام
کر کے سائیکل کو جانے دیا۔ اس سے فرصت پائی تھی۔ کہ سامنے سے دو گورے
نظر پڑے۔ وہ ابھی دور ہی تھے۔ کہ یہاں ہم نے قطعی طے کر لیا۔ کہ خواہ
کچھ کیوں نہ ہو ان سے ہم ضرور الجھیں گے۔ وہ جب قریب آئے۔ تو ہم اقبال
کرتے ہیں۔ کہ ہم ڈر گئے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد جوش آیا۔ اور اپنا
منہ چھوڑ کر گوروں کا پیچھا کیا۔ قصہ مختصر کوئی خاص شرارت کرنے کی ہمت نہ

پڑی۔ لہٰذا مجبوراً ہم نے پیچھے سے ان پر دھول ہی پھینکنے پر اکتفا کی۔ اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ آئے۔

خدا خدا کر کے نہ معلوم کتنا چکر کاٹ کر آخر ش دریا پر پہنچے۔ یہاں کچھ اور لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ککڑی کے کھیت دریا کے بیچوں بیچ ایک جزیرہ پر تھے۔ اور وہاں جانے کے لئے کسی نیک مہاجن نے ایک ناؤ وقف کر دی تھی۔ یہ ناؤ بڑی سی تھی۔ اور اس کے دونوں کنارو نیر سے بندھے ہوئے تھے ایک رسّا اس کنارے کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ اور دوسرا رسا دریا کے اس پار۔ ہم لوگ ناؤ میں سوار ہو گئے دوسرا سرا رسّے کا گھسیٹ کر اس پار کھیت پر پہنچے۔ پہنچکر ہم نے پیسہ کی چار ککڑیاں ٹھہرائیں۔ مگر شرط یہ رکھی۔ کہ کڑوی ہوں گی۔ تو پھینک دیں گے۔ اور دوسری لیں گے۔ چنانچہ بہت سی میٹھی ککڑیاں کاٹ کاٹ کر پھینک دیں۔ اور دوسری اس کے عوض لیں۔ مگر چلتے وقت جب حساب ہو چکا۔ تو زمین سے وہ ککڑیاں بھی اٹھا کر کھا گئے۔ اور اس طرح سے ہم کو بجائے پیسہ کی چار کے پیسے کی پانچ ککڑیاں پڑیں۔ یہاں کنارہ پر سادھو لوگ بھی رہتے تھے۔ اور ہم نے نہایت ہی صفائی سے ایک بہت عمدہ قسم کا چٹا یعنی آگ اٹھانے کا دست پناہ چرایا۔ اور اس کو کوٹ میں چھپا کر لے آئے۔ واپسی کے وقت ہم لوگ جو ناؤ پر پہنچے۔ تو وہ اس پار تھی۔ اور کچھ لوگ اس پر بیٹھا ہی چاہتے تھے۔ ہم فوراً ہی دوڑے۔ اور رسّا کھینچنا شروع کیا۔ یہ ہماری انتہائی بدتمیزی تصور کی گئی۔ اور غصہ میں آکر وہ لوگ ادھر سے کھینچنے لگے۔ مگر اس رسّا کشی میں ہم کو فتح ہوئی۔ اور ہم ناؤ پر بیٹھ گئے۔ چونکہ ہم ان لوگوں کو سزا

دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس کنارے پر کی ہم نے میخ رسا گھسیٹ کر اکھیڑ دی۔ جس
کا علم ان کو جب ہوا۔ جب ہم ذرا دور سے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ کہ یہ
لوگ اب اس پار نہیں جا سکتے۔ غرض بیسیوں آدمی اس پار جانے کو کھڑے
تھے۔ اور میخ اکھڑ جانے کی وجہ سے نہ جا سکتے تھے۔ یہاں سے یاروں کی رائے
ہوئی کہ بھئی چلو بے فصلی بیدانہ امرود کے باغ میں چلیں اور قصہ مختصر کوئی دو میل
کا سفر طے کیا اور باغ میں پہنچ گئے۔ باغ بہت بڑا تھا اور ہم نے طے کیا کہ
اس پر ہر چہار طرف سے حملہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ دو دو تین تین کی ٹولیاں بن گئیں
اور چاروں طرف سے کنارہ کے درختوں پر بے تکلف چڑھ گئے۔ اور امرود توڑنا
اور پھینکنا شروع کئے۔ باغبان کی نظر پہلے ہمارے اوپر پڑی اور وہ دوڑا۔ سامنے
والی پارٹی نے جو دیکھا کہ اس نے ہم کو دیکھ لیا ہے۔ تو انھوں نے بے تحاشا لکڑی
سے کچے پکے امرود جھاڑنا شروع کئے۔ اور غل مچا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس
نے دیکھا۔ کہ نقصان ادھر زیادہ ہو رہا ہے وہ ادھر بھاگا۔ اور ادھر ہم اس کے
پیچھے پیچھے اس کی جھونپڑی پر حملہ آور ہوئے۔ اور جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ مٹی کے
گھڑے پھوڑ ڈالے۔ اور حقہ پھینک دیا۔ غرض خوب خراب کیا۔ وہ لوگ درخت
سے اتر کر بھاگے۔ جب دیکھا کہ باغبان نہیں مانتا۔ تو دوسری پارٹی کی
طرف انگلی اٹھا کر کہا کہ دیکھو وہ سب نقصان کر رہے ہیں۔ اس نے جو مڑ
کر دیکھا۔ تو برا حال تھا۔ ہماری پارٹی کے جوانمرد مارے لکڑیوں کے درختوں
کو بھائے دیتے تھے۔ وہ بدقسمت ادھر دوڑا کہ پارٹی نے پھر اپنی جگہ لے
لی۔ مختصر ذرا سی دیر میں وہ ہانپ کر تھک کر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ خوب کھاؤ

ہم نے تعمیل کی۔ اور مزے سے کھا کر لوٹ آئے۔ واپس آتے میں ہم کو ایک کھیت کے کنارے ایک ناریل کا حقہ رکھا ملا۔ جس کا حقہ تھا۔ وہ ذرا فاصلہ پر کنوئیں کے پاس تھا۔ ہم نے فوراً حقہ اٹھا لیا۔ اور مزے میں اسوقت تک اس سے دلچسپی لیتے رہے۔ جب تک اس نے کام دیا۔ پھر پھینک دیا وہاں سے واپسی میں ہم کو ایک درخت ملا۔ جس پر کچے کیتھ لگے ہوئے تھے رائے ہوئی کہ ان کو توڑنا چاہیئے۔ پھر کیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں کیتھ گرا دیئے اتنے میں ایک آدمی آ گیا۔ اس نے بدزبانی کی۔ تو ہم نے اس کو فوراً اسی سادھو والے چمٹے سے مارنا شروع کیا۔ ہمارے ساتھیوں نے بھی ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اور اس کو بے طرح لکڑیوں سے مارنا شروع کیا۔ قصہ مختصر اس کو ادھیڑ کر ڈال دیا مگر مارنا بند نہ کیا۔ اس کی خوش قسمتی تھی۔ جو سامنے سے چار پانچ آدمی ہم کو لٹھ لئے ہوئے غل مچاتے شور کرتے آتے نظر پڑے۔ ہم وہاں سے تیر کی طرح بھاگے۔ ہمارا بہت کچھ پیچھا کیا۔ مگر بے کار واپسی میں کسی نئی شرارت کا موقعہ ہی نہ ملا۔ سوا اس کے کہ ایک خوانچہ والے کی مٹھائی اس طرح خراب کی۔ کہ اس کے پاس کی نالی میں اس زور سے پتھر مارا۔ کہ تمام چھینٹیں اڑ کر اس کے اور اس کے خوانچہ پر پڑیں۔ ہوتے ہوتے وہاں سے اولین ملز کمپنی کے پاس سے ہوتے ہوئے اور معمولی شرارتیں کرتے ہوئے ہم ینگ مین ایسوسی ایشن کلب پہنچے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک فٹ بال کا میچ ہو رہا ہے۔ اور کثرت سے ہجوم ہے۔ گوروں سے میچ ہو رہا تھا۔ ہمارے سب ساتھی الگ ہو گئے تھے۔ صرف وہی دو رہ گئے تھے۔ جو ہمارے بنگلہ سے ہمارے ساتھ ہوئے

تھے۔ اور ہم بھی تھکے ہوئے تھے۔ لہٰذا میچ میں جی نہ لگتا تھا۔ بہرحال ہم لوگوں کی کہ کیا کریں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مجبوراً وقت کاٹنے کے لئے وہاں بے شمار بائیسکلوں کا ہجوم تھا۔ اور سیفٹی پن نکال کر پنکچر کرنا شروع کئے۔ مختصر ایک بائیکل بے کار کر دی۔ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ معاً خیال آیا۔ کہ میچ ختم کرانا چاہیئے۔ فٹ بال میدان سے باہر بھی آکر گرتی تھی۔ اور لڑکے دوڑ کر اٹھا کر کھلاڑیوں کو واپس کر دیتے تھے۔ ہم نے بھی ایک مرتبہ یہ خدمت انجام دی۔ لیکن آہستہ سے اپنے سیفٹی پن کی نوک اس میں چبھو دی مشکل ہی سے دو کک لگے ہوں گے۔ کہ وہ اُفٹ بال جو موجود رہتا ہے۔ مانگا گیا۔ اس کا بھی ہم نے وہی حشر کیا چلئے چھٹی ہوئی۔ اور فٹ بال ہی نہ رہا۔ میچ گڑبڑ ہو گیا۔ مگر ساتھ ہی ہمارے اوپر شبہ سا کیا گیا۔ اور ہم نے بہتر سمجھا۔ کہ وہاں سے کھسک آئیں۔ میچ درہم برہم ہو گیا۔ اور اصل لطف تو جب آیا۔ جب سب کے سب بائیسکل والے اپنی بائیسکلوں پر چڑھ کر فوراً ہی اترنے پر مجبور ہوئے عجیب لطف آرہا تھا۔ سب لوگ کہہ رہے تھے۔ کہ یہ کون شریر تھا۔ جس نے فٹ بالوں کو بھی بگاڑا۔ اور بائیسکلوں کو بھی۔ میچ سے . . . . . .

. . . ہم واپس آکر اپنے بنگلہ میں داخل ہونے ہی کو تھے۔ کہ ہم نے دیکھا کہ سامنے کے پریڈ کے میدان میں دو سانڈ لڑ رہے ہیں۔ یہ میدان چاروں طرف نیچی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ جس پر سلاخچے لگے ہوئے ہیں۔ ہم اس پر لیٹے ہو کر تماشا دیکھنے لگے لیکن کچھ لوگ اندر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ منجملہ دوں کے ان میں ایک مٹھائی والا بھی تھا۔ سانڈ دو

خوانچہ والا دیوار اور سانڈوں کے بیچ میں اُس طرح آیا۔ کہ اس کو
خوانچہ کندھے پر رکھے رکھے اس طرح بیٹھنا پڑا۔ کہ خوانچہ ہمارے
سامنے مثل دسترخوان کے لگ گیا۔ ہم نے بھی خوب کھایا۔ خوانچہ والا دیکھ رہا
تھا اور کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ غل غپاڑہ اور ہلڑ بے حد تھا۔ افسوس کہ ہماری
بدقسمتی نے ہم کو زیادہ نہ کھانے دیا۔ اور لڑائی ختم ہونے سے پہلے ہی ہم
بھاگ گئے۔ چراغ جل گئے تھے۔ کہ اتنے میں ایک صاحب آئے۔ انھوں
نے کہا۔ کہ چلو کھلونوں کا میلہ دیکھ آئیں۔ جو نہ معلوم یاد نہیں کون سے مندر کے
احاطہ میں ہوتا تھا۔ ہم نے پہلے تو انکار کیا مگر پھر چلنا پڑا۔ پہاڑ کے میدان میں سے
گذر کر اس کے دوسرے پھاٹک پر نکلے دیکھا کہ ایک آدمی کپڑے کی دکان
لگائے ہوئے ہے۔ اس دکان کی اس نے چادریں تان کر کپڑے ہی کی دیواریں
بنائی تھیں اور کپڑے ہی کی چھت بنائی تھی۔ ہم اس کی پشت پر سے ہو کر گذرے
کہ ہم کو ایک چھوٹا سا ٹھیلہ نظر پڑا جس پر یہ کپڑے گھر سے لاد کر لایا تھا۔ ہم نے فوراً
ٹھیلا کو دور لے جا کر زور سے دوڑا کر دکان کی پشت میں اس زور سے ریلا کہ وہ
کپڑے کی دیوار کو توڑتا ہوا دکان کے اندر اس طرح گھس گیا۔ کہ ساری دوکان
گر پڑی۔ اندر سے دو آدمیوں کے چیخنے کی آواز آئی۔ مگر ہم بھاگ گئے۔ اب ٹراموے
کی پٹری پٹری جا رہے تھے۔ خیال آیا کہ لاؤ ٹراموے کی پٹری پر اینٹ رکھیں
دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ فوراً رکھ دی۔ اور اسپتال کی پشت کی طرف کھڑے ہو کر
تماشا دیکھنے لگے۔ ایک ٹراموے اتنے میں زور سے آئی۔ اور اینٹ پر آکر
زور سے جھٹکے سے رکی۔ ٹراموے والے نے غل مچایا اور ایک سپاہی دوڑا

ہوا آیا۔ لوگوں نے ادہر ادُہر دیکھا۔ اور ایک پاجی آدمی نے نہ معلوم ہم لوگوں کی طرف کچھ شبہ سے انگلی اٹھائی۔ یا کیوں کہ ہم لوگ ہسپتال کی دیوار پھاند کر بھاگے۔ اور ہمارے پیچھے کانسٹبل دوڑا۔ ہم ہسپتال کے کمپاونڈ میں اندہیرے میں بے تحاشا بھاگے۔ اور بدقسمتی سے ٹھوکر کھا کر گرے۔ اور پکڑے گئے کانسٹبل نے بری طرح ہم کو گھسیٹا اور ڈانٹا۔ اور پکڑ کر لے چلا۔ مگر ہم بھلا کاہے کو جنبش کرنے والے تھے۔ وہیں لیٹ گئے۔ وہ ہمارا نام اور پتہ دریافت کرتا تھا۔ اور ہم بتا کر ذرا چھوٹ سکتے تھے۔ مگر اس میں اندیشہ تھا۔ کہ گھر پر پرسش ہو گی لہذا ہم نے نہ بتایا۔ اتنے میں ہماری کمک آگئی۔ اور ہم نے اطمینان سے دیکھا کہ ہمارا ساتھی کانسٹبل پر پیچھے سے حملہ آور ہوا۔ اور صاف جھپٹ کر چلتا بنا کانسٹبل کا ادہر منہ کرنا تھا کہ ہم نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑا لیا اور یہ جا وہ جا۔ ہمارا ساتھی بھی تھوڑی دور چل کر ہمیں ملا۔ صاف چھینک کر آیا تھا۔ ہم لوگ سیدھے اپنے مندر کی طرف چلے۔ راستہ میں دیکھا۔ کہ ایک خوانچہ والے نے ایک نوجوان مزدور کو پکڑ رکھا ہے۔ اور حجت ہو رہی ہے۔ ہم فوراً پہنچے۔ اور دخل در معقولات کیا۔ ہم نے خوانچہ والے کو بڑی بری طرح ڈانٹا۔ کہ ہمارے نوکر کو چھوڑ دو کیوں پکڑتے ہو۔ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو اس سے پانچ آنہ پیسے لینا ہیں۔ ہم نے فوراً کہا۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کو چھوڑ دو۔ وہ چھوٹتے ہی بھاگا۔ ادھر ہم بھی روانہ ہو گئے۔ مندر کے احاطہ میں پہنچے۔ بڑے زور سے میلہ لگا ہوا تھا۔ وہ دیکھا بیل تھی۔ کہ خدا کی پناہ سب سے پہلے ہنستا ہاد غضب یہ ہر دانوا اور سونٹھ کے پتا نئے کھائے جائیں۔ چنانچہ خوانچے جو مجمع میں گر

کیا۔ اس کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر مٹھائی کی ٹھہری۔ ہم روپیہ لے کر مٹھائی لینے
ایک ساتھی کے ساتھ گئے۔ اور باقی کو وہیں چھوڑا۔ ہر دکان پہ پہنچ کر ہر قسم
کی مٹھائی چکھی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ آخر کو انھوں نے چکھانے سے انکار کر
دیا۔ ہم نے بنگالی مٹھائی پسند کی۔ حالانکہ ہمارے ساتھی کشمیری برہمن تھے۔
مگر دکاندار ہم دونوں کو بھنگی سمجھتا تھا۔ اور کہا الگ کھڑے ہو۔ ہم کو برا معلوم
ہوا۔ اس نے سیر بھر مٹھائی ہماری فرمائش سے تولی۔ اور بجائے ہاتھ میں دینے
کے ہم سے کہنے لگا ہاتھ پھیلاؤ۔ ہم نے ہاتھ پھیلائے۔ اس نے دور ہی سے دونہ مٹھائی
کا ہمارے ہاتھوں پر چھوڑا۔ ہم نے فوراً ہاتھ ڈھیلے کر دیئے۔ اور دونہ مٹھائی کا نیچے
گرا۔ ہم گرج کر دکان دار پر برس پڑے۔ اور ادھر وہ دکان سے اتر پڑا کہ اپنے پورے
دام لے لوں گا۔ پورا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ مگر ہم دام نہ دینے تھے۔ نہ دیئے۔ دوسری
جگہ سے مٹھائی خریدی اور کھا کر پان والے کی دکان پر پہنچے۔ یہ پان کی دکان
بھی دیکھنے کے لائق تھی۔ پان والا صدر دروازہ کے بائیں طرف قد آدم اونچائی
پہ ایک پاڑ باندھ کر بیٹھا تھا۔ اور دکان کو ایسا سجایا بنایا کہ لوگ اسی دکان پر
ٹوٹے پڑتے تھے۔ پان والے صاحب اپنے آپ کو نہ معلوم کیا سمجھے ہوئے
تھے۔ دکان پر بیسیوں رنگ برنگ کی بوتلیں اور سجاوٹ کا سامان چنا ہوا
بڑی اونچائی تک چلا گیا تھا۔ اور کپڑے کی چھت لگائی جس میں قندیلیں اور
قمقمے آویزاں تھے۔ بہت سی تصویریں چاروں طرف لگی تھیں۔ ہاتھ میں [illegible]
[illegible] دکھانے کے ایک قمچی تھی۔ جو وہ ہر اس ایسے ویسے لونڈے کے رسید کرتا
[illegible] جھٹکے [illegible] کے کھمبے کے پاس آتا تھا۔ ہم کو یہ بہت برا معلوم ہوا

...نے اُن سے کہا۔ کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہو۔ تو انھوں نے کہا۔ کہ صاحب وقت رہا نہیں تھا۔ یہ بانس کا موٹا کھمبا جس پر کہ مچان ٹکا ہوا ہے۔ زمین پر یونہی رکھا ہوا تھا۔ اور مجھ کو ڈر لگتا ہے کہ کہیں ٹھیس لگ کر ساری دکان کی دکان نہ آ پڑے۔ ہم نے کہا۔ کہ یہ تو زمین میں گڑا ہوا ہے۔ بھلا کیسے گرے گا۔ تو انھوں نے فرمایا۔ کہ صاحب گڑھا کھودنے کا وقت ہی نہ ملا۔ یہ یوں ہی رکھا ہے۔ اور پھر طرّہ یہ کہ مچان کے تختہ میں بندھا بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے مجھ کو بہت اندیشہ ہے۔

اب پان کھا کر ہم نے جو دوستوں سے صلاح لی۔ کہ بھئی بولو کیا رائے ہے۔ اس پان والے کی دکان کیوں نہ گرائی جائے۔ تو اس پر ہمارے کسی ساتھی نے حامی نہ بھری۔ دکان کیا تھی۔ پورا تعزیہ تھا۔ مچان پر بوجھ سامان آرائش تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اور مجمع یہاں ایسا تھا۔ کہ پکڑا جانا قطعی تھا۔ مگر ہم نے کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم یہ کام ضرور کریں گے۔ ہمارے ساتھیوں نے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ ہم نے بھاگنے کی راہ وغیرہ خوب غور سے دیکھی اور گھوم پھر کر اس جگہ پہنچے جہاں احاطہ کی چھوٹی سی کچی دیوار تھی۔ یہ جگہ الگ سی تھی۔ اور یہاں لوگ پیشاب کرنے آتے تھے۔ ہم نے ساتھیوں کے ساتھ دو تین گھنٹہ سیر کی۔ اور پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ گھومتے پھرتے دکان کے پاس آ کر ہم نے ہمت کر کے مجمع کے دباؤ میں کھمبے سے لگ کر جو ڈنڈے کو گھسیٹا۔ تو ایک شور ہنگامہ برپا ہوا۔ اور دوکان مع چھت اور سامان سجاوٹ اور پان والے لوگوں کے آن پڑی۔ کتھے اور چونے کی کلیاں سب ایک ہو گئیں۔ اور غضب یہ ہوا کہ وہ برتن بھی گرا جس میں پان والا پیسے رکھتا جا رہا تھا۔ پیسے جو مجمع میں گر

لوگوں نے دست اندازی کردی ہم کو اس میں موقع فرار مل گیا۔ اور اس شور و غل میں ہم مع ساتھیوں کے دیوار پھاند کر گلی میں کود کر اس بری طرح بھاگے کہ نہ معلوم کہاں آکر نکلے ہم کو سخت اندیشہ پکڑے جانے کا تھا کیونکہ دروازہ پر جو کانسٹبل تھا اس نے ہم کو شرارت کرتے ہوئے شاید دیکھ لیا۔ اور ہم عجب نہیں پکڑے جاتے اگر کہیں دکان نہ لٹنے لگی ہوتی۔

رات کافی آگئی تھی۔ اور ہم نہ معلوم کس جگہ تھے۔ جہاں نہ بینا سناٹا تھا جگہ جگہ لوگ سڑک کے کنارے چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ ایک لالہ ننگے بدن پلنگ پر عین ایک موڑ پر اس طرح توند پھیلائے لیٹے ہوئے تھے۔ کہ ہم کو مجبوراً اپنا سگریٹ جو قریب الختم تھا۔ ان کے پیٹ پر رکھ دینا پڑا۔ وہ ایسے تڑپ کر پیٹ پیٹتے ہوئے اٹھے کہ ہم کو لطف ہی آگیا۔ اور ہم بھاگ کر دوسری جگہ پہنچے۔ کچھ آگے پہنچ کر ہم نے ایک چارپائی مع سونے والے کے الٹی اور گھر واپس ہونے سے پہلے پہلے ہم نے ایک اور برہنہ بدن سونے والے کے پیٹ پر سگریٹ جلتا ہوا رکھ کر بہتر تین تماشہ دیکھا رات گئے گھر واپس آئے۔ مگر چونکہ صبح ہم گھر سے اجازت لیکر نہیں گئے تھے اس لیئے دوسرے روز محض یہی جرم ہمارے سر رہ گیا۔ کہ دن بھر کیوں غائب رہے اسکی پاداش میں دن کا کھانا ہمارا بند کیا گیا۔ اور ہم کو مجبوراً اپنے پنڈت دوست کے یہاں کھانا کھانا پڑا۔

افسوس وہی ہم ہیں۔ اور وہی دنیا۔ ان شرارتوں کا خیال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں

عمر نے ہم کو نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔

دوسرا باب

شریر لڑکی

ہم انٹرنس میں پڑھتے تھے۔ اور ایک قومی اسکول کے بورڈنگ میں رہتے تھے۔ بورڈنگ سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک مکان تھا۔ جو بورڈنگ سے اسکول اور ہاکی کھیلنے کے فیلڈ جانے میں پڑتا تھا۔ اس مکان میں ایک سیّد رہتے تھے۔ جو کچہری میں ملازم تھے۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر مکان کی ایک کھڑکی تھی لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اور کواڑ بھی لگے تھے۔ یہ کواڑ ہمیشہ بند رہتے روز کا ذکر ہے۔ کہ ہم اپنے ایک دوست سے اس کھڑکی کے نیچے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہ ہم کو کھڑکی سے کچھ چوڑیاں بجنے کی ہم نے غور سے جو دیکھا تو ایک سوراخ سے ایک آنکھ کا ایک آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی ہم کو دیکھ رہا ہے۔ ہم بھی اسطرف لگے۔ کہ آنکھ اُس سوراخ کے سامنے سے غائب ہو گئی۔ ہم کو جو سوجھی تو ہم نے گلی کو سونا پا کر اپنے دوست کا سہارا لے کر

اسی سوراخ سے اپنی بھی آنکھ لگا دی۔ مگر وہاں اب وہ آنکھ نہ تھی۔ سوراخ میں سے مکان کے اندر کا حصہ صاف نظر آیا۔ یہ کھڑکی دالان میں تھی بیچ دالان میں ایک ایک نوجوان حسین لڑکی کھڑی اس سوراخ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ لڑکی ایسی حسین تھی کہ ہم کو بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اور ہم اس کو دیکھ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی نے معلوم کر لیا تھا۔ کہ ہم سوراخ میں سے جھانک رہے ہیں۔ چنانچہ وہ سامنے سے ہٹ گئی ہم یہ انتظار کر رہے تھے کہ پھر سامنے آئے ہم آنکھ کھولے ہوئے دیکھ ہی رہے تھے۔ کہ اسی چھوٹے سے سوراخ پر کسی نے مٹھی بھر کر دھول جھونک دی۔ جو پوری کی پوری آنکھ میں پڑی۔ اور ہم بیتاب ہو کر گر پڑے۔ ساتھ ہی کھڑکی کے اندر سے ہنسی کی آواز آئی۔ ہمارے دوست جو عینک لگائے تھے انہوں نے جوتیوں کے بل کھڑے ہو کر دیکھا۔ تو ان کے ساتھ بھی یہی عمل ہوا۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ شرارت اسی خوبصورت لڑکی کی تھی۔ لیکن چونکہ وہ عینک لگائے تھے۔ لہٰذا ان کی آنکھ کے اندر کچھ نہ پڑا ا ہماری آنکھ دن بھر کھٹکا کی اور ہم سے کلاس میں پڑھا بھی نہ گیا۔ ہم کو اس شریر لڑکی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن ہم کو ساتھ ہی یہ پسند بھی تھی۔ کیونکہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ واپسی میں ہم نے پھر جھانکا۔ اور لڑکی نے پھر دوبارہ آنکھ میں مٹی ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر ہم ہوشیار تھے۔ اور بچ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسکول کی گھنٹی کی آواز سنکر لڑکی کھڑکی کے پاس آ جاتی تھی۔ کیونکہ صبح ... آئندہ کے لیئے ہم نے روزانہ کا معمول کر لیا۔ کہ ضرور بالضرور سوراخ میں سے جھانکتے اور آنکھ میں دھول ڈلواتے۔ جب یہ روز ہی کا دستور ٹھہر ...

ایک تین آنہ کی عینک محض اس لیے خرید لی۔ لڑکی کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ کیونکہ ایک روز اس شریر نے ہماری آنکھ میں چھتری کی تان اس بری طرح بھونک دی۔ کہ ہم کانے ہوتے ہوتے بچے۔ اور ہماری عینک کا تال پھوٹ گیا۔ مگر ہم بھی باز نہ آئے۔ لڑکی نے ہماری اس ضد کو دیکھ کر ایک روز چپکے سے کہا کہ "میں تیری آنکھ پھوڑے بغیر نہ مانونگی"۔ ہم نے غصہ میں آکر کہا کہ "ہم تجھ کو دیکھنے سے باز نہ آئیں گے"۔ اس لڑکی سے یہ ہماری پہلی بات چیت ہوئی۔

(۲)

ہمارے گھر سے حلوے کا پارسل آیا ہوا تھا۔ اور ہم جیب میں ڈالے ہوئے دن بھر کھاتے رہے۔ حسب دستور ہم نے آکر جھانکا۔ اور لڑکی نے ہماری آنکھ میں دھول جھونکی۔ ہم نے اس کے جواب میں کہا "لے حلوا کھا" اور یہ کہہ کر حلوے کا ٹکڑا جو ملائم تھا۔ سوراخ کے اوپر رکھ کر زور سے دبا دیا۔ سوراخ بالکل گول تو نہ تھا۔ مگر کم و بیش دونی برابر تھا۔ لہذا کافی حلوا پہنچ گیا ہم تھوڑی دیر بعد چلے آئے۔ نہ معلوم اس نے حلوا کھایا بھی یا نہیں۔

دوسرے روز جو ہم پہنچے۔ اور جھانک کر دیکھا۔ تو کوئی نہ تھا۔ ہم نے کھڑکی پر ہاتھ مارا۔ تو کیا دیکھا کہ لڑکی لپکی ہوئی آرہی ہے۔ اور جھٹ سے اس نے مٹھی بھر راکھ زمین سے اٹھائی۔ ہم ہوشیار ہو گئے اور وار خالی دیا۔ فوراً ہی ہم کو سوراخ سے کوئی سفید سفید چیز پتلی سی نکلتی معلوم ہوئی ہم نے پکڑ کر جو گھسیٹا تو کھوئے کی لمبی لمبی بتّی سی تھی۔ ہم نے فوراً چکھا۔ اور اس کو پیڑے کے مزے کا پایا۔ ہم نے کہا کہ "اس سے مزے کا تو ہمارا حلوا ہی تھا"

نے کہا کیا تیری بیوی نے پکایا تھا" ہم نے فوراً کہا۔ "ہماری بیوی تو تو ہے" اس کے جواب میں سوراخ سے ہمارے اوپر پانی گرا۔ کچھ ہمارے منہ پر پڑا اور کچھ کپڑوں پر۔ لڑکی ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ اور ہم خفیف ہو کر لوٹ کر اور تین روز بعد پھر اسی سوراخ سے ایک روز ویسی ہی کھوئے کی لمبی سی بتی نکلی۔ اور ہم نے لے کر فوراً منہ میں رکھ لی۔ وہ تین ہی دانت مارے ہونگے۔ کہ حلق تک کڑوا ہو گیا اور ہم کو تھوکنا پڑا۔ لڑکی ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ اس شریر لڑکی نے اس میں کونین ملا کر ہم کو الو بنا دیا۔ کچھ عرصہ تک اسی طرح تبادلہ تحائف ہوا کیا۔ مگر اس ظالم کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی عادت نہ گئی۔ ایک روز جو ہم آئے۔ تو کھڑکی کی کنڈی کھلی۔ اور کواڑ ذرا سا کھلا۔ اور اس کے بیچ میں سے کھیر کا ایک پیالہ باہر نکالا ہم نے فوراً لے لیا۔ اور چکھتے ہوئے بورڈنگ چلے آئے۔ ہماری ان کارروائیوں کا علم کسی کو نہ تھا۔ اور عرصہ تک اسی طرح ہماری ملاقات جاری رہی۔ ایک روز ہم نے پوچھا کیا "تمہارے گھر میں کوئی نہیں ہے"۔ تو اس نے کہا کہ "بس سوا بیمار ماں کے کوئی نہیں ہے"۔ ہم اپنا نام اس کو پیشتر ہی بتا چکے تھے۔ مگر اس نے اپنا نام ہم کو نہ بتایا تھا۔ نہ بتایا۔ ہمارے گھر سے کچھ روز بعد میوے کا حلوا آیا۔ اور ہم نے سوچا کہ ہم اس کو ضرور کھلائیں گے۔ لہٰذا ہم نے اس سے کھڑکی کھلوا کر ایک کاغذ میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ جو اس نے بخوشی کھا لیا۔

(۳)

ہمارا اس سے پان کا بڑا تقاضہ رہتا تھا۔ ایک روز اس نے کہا کہ "ہم تم

کو پان نکل کھلائیں گے۔" چنانچہ حسبِ وعدہ اُس نے کھڑکی کھولی۔ سامنے ہم کو کچھ نظر نہ آیا۔ ہم نے اندر ہاتھ پھیلا دیا۔ اور اس نے ہاتھ پر پان رکھ دیا۔ ہم نے سلام کر کے کھا لیا۔ کہ اتنے میں اُس نے کہا "الائچی کھایئے گا" ہم نے "نیکی اور پوچھ پوچھ" کہہ کر ہاتھ پھر اندر ڈال دیا مگر اس مرتبہ اُس سفاک نے ہماری ہتھیلی پر ایک دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا۔ ہم بیتاب ہو گئے۔ اور تڑپ گئے۔ اور ہاتھ فوڑا باہر نکال کر جھٹکا۔ لڑکی کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا۔ اور یہاں آنکھوں سے مارے تکلیف کے آنسو نکل پڑے۔ کیونکہ انگارہ ایسا دہکتا ہوا تھا۔ کہ ہتھیلی کی کھال سے چپٹ کر رہ گیا تھا۔ اور دو تین جھٹکے دینے پر گرا تھا۔ دو روز ہم مارے غصہ کے نہ آئے۔ مگر تیسرے روز ہمارا غصہ جاتا رہا۔ اور ہم پھر آئے۔ تو اُس شریر نے ہم سے پھر پوچھا۔ کہ "الائچی کھایئے گا" مگر ہم کو بجائے غصہ کے اس مرتبہ ہنسی آ گئی۔ عرصہ تک ہماری ملاقات اسی طرح جاری رہی۔ مگر کبھی ہم نے سوائے اس قسم کے مذاق کے اور کوئی بات نہ کی۔ اور نہ اس کو کوئی خط لکھا۔ ہاں یہ البتہ روزانہ ذریب فریب کہتے تھے۔ کہ "تو ہماری ..... بیوی ہے" چونکہ اس کا جواب اُس کے پاس کوئی معقول نہ تھا۔ اس لئے وہ کبھی کچھ کہہ دیتی تھی۔ اور کبھی کچھ کہہ دیتی۔ مگر اکثر یہ کہا کرتی کہ "تیری بیوی تو ہمارے یہاں روزانہ دو وقت جھاڑو دینے آتی ہے"

ایک روز ہماری محسنہ نے ہم سے کہا کہ "دیکھ تو تیرے ساتھی بھی کتنے ... میں" یہ کہتے ہوئے اس نے کاغذ کی ایک بتی سوراخ میں سے ... کر ... نے اس کو لے کر پڑھا۔ تو ہم کو سخت افسوس ہُوا۔ یہ ...

ایک لڑکے کا خط تھا جس میں دنیا بھر کے عشق کی داستان اور روپیہ پیسہ کے لالچ کے قصے لکھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا۔ کہ ہم اس کے ہرگز ذمہ دار نہیں۔ تو لڑکی نے کہا "اگر تو کہے تو میں اس کو کچھ سزا دوں۔ اور الو بنا دوں"۔ ہم نے اتفاق کیا۔ ہم سے اُس نے کہا۔ کہ "تو میری طرف سے اپنا خط بدل کر ایک خط لکھ دا علاوہ اور باتوں کے اس خط میں یہ ضرور لکھنا۔ کہ اگر آپ مجھ کو اس وقت دس روپیہ قرض دے سکیں۔ تو مشکور ہوں گی"۔ ہم بورڈنگ آئے۔ اور ہم نے نہایت ہی با تمیز عبارت میں خط کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دس روپیہ کی ضرورت ظاہر کی۔ اور نیچے نام وغیرہ تحریر کرنے والی کا نہ لکھا۔ بلکہ صرف "لفظ آپ کی..... لکھ دیا۔ ہم نے جا کر خط سوراخ سے اپنی دوست کو دیا۔ اس نے پڑھ کر بہت پسند کیا۔ اور کہا کہ اس کو دروازہ کی چوکھٹ کے پاس اینٹ سے دبا کر رکھ دے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا تھا۔ انہوں نے چالاکی یا بیوقوفی سے اپنا نام نہ لکھا تھا۔ بلکہ خط کی عبارت سے پتہ چلتا تھا۔ کہ ہمارے ساتھی ہیں کیونکہ بورڈنگ اور اسکول کا ذکر تھا۔ ہم اس فکر میں تھے۔ کہ کسی طرح ہم کو نام معلوم ہو۔ تو اچھا ہے۔ اور اسی لئے ہم نے وہ خط اپنے پاس رکھ لیا۔ کہ شاید تحریر سے ہم کچھ نام کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔

تیسرے روز ہماری دوست نے ہم کو کھڑکی سے دس روپے کا نوٹ دیا۔ اور کہا کہ "الو پھنس گیا"۔ ہم نے کہا ہم کو نوٹ نہیں چاہیئے۔ اس کا جواب یہ دیا۔ کہ اس کو رکھ لے۔ میں نہیں رکھوں گی۔ ہم نے نوٹ رکھ لیا۔ اور آخر ہم نے اور ہماری دوست نے خوب مزے سے مہینہ بھر تک

میوے کھائے۔

اس دوران میں ہم نے کوشش کر کے یہ بھی پتہ لگا لیا۔ کہ ہماری معشوقہ کے بدتمیز شیدائی کون ہیں۔ ہم نے ان کو مل کر اس بُری طرح لوٹا۔ کہ یہ بورڈنگ کے بہت سے لڑکوں کے قرضدار ہو گئے۔ حتیٰ کہ عشق کو رخصت کرنے پر مجبور ہوئے

(۴)

حالانکہ اس شریر لڑکی کی اور ہماری بہت گہری دوستی ہو گئی تھی۔ مگر ہمارے ساتھ وہ شرارت سے نہ چوکتی تھی۔ ایک روز تو اُس نے ہماری انگلی میں جو ہم نے شرارتاً سوراخ میں دے دی تھی۔ ایسا کاٹا کہ اس میں دانتوں کے نشان بن گئے اور وہ سوج گئی۔ اور پھر یہ ستم کیا کہ تیسرے روز جو ہم خفا ہو کر پھر واپس اس ظالم کو انگلی دکھلانے آئے۔ تو اُس نے اُس میں اس طرح سوئی بھونک دی۔ کہ ہم نے زور سے ہاتھ جو جھٹکا۔ تو سوئی کی نوک انگلی ہی میں ٹوٹ کر رہ گئی۔ ہم جل کر واپس آئے۔ اور وہ حسبِ معمول ہنستی ہوئی چلی گئی۔ ہماری انگلی میں سخت درد تھا۔ اور شام تک سوج آئی۔ رات بھر ہم تڑپا کئے۔ اور اس ظالم کو دعائیں دیا کئے۔ تیسرے روز یہ بری حالت ہوئی۔ کہ انگلی بالکل پھوڑا ہو گئی۔ ہم ایک روز اسی دوران میں گئے۔ اور اپنا حال سنایا۔ مگر اُس کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ یہی کہا کی کہ "اچھا ہوا۔ اچھا ہوا" نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ ہماری انگلی پک گئی۔ اور چیری جانے کو ہوئی۔ ہسپتال جاتے وقت ہم یہ کہتے گئے۔ کہ ہماری انگلی کی حالت تو نے یہ کر دی ہے۔ ہم کبھی اب تیرے پاس نہ آئیں گے۔" اور یہ کہہ کر انگلی کھول کر جو دکھائی تو وہ گھبرائی۔ اور کہنے لگی۔ کہ "معاف کرنا مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ تمہاری

ملی ہی یہ حالت ہے"۔ مگر ہم یہ کہہ کر چلے آئے۔ کہ ہم اب تمہارے پاس نہ آئیں گے"۔

قصہ مختصر ہماری انگلی پندرہ بیس روز میں اچھی ہوئی۔ اور اس دوران میں ہم کھڑکی کے پاس تک نہ گئے۔ وہ ایک دفعہ جب ہم گزر رہے۔ تو کھڑکی پر اس نے ہم کو متوجہ کرنے کے لئے ہاتھ بھی مارا۔ مگر ہم چونکہ واقعی خفا تھے۔ ہم نے کچھ بھی پروا نہ کی۔ ایک روز ہم گذر رہے تھے۔ کہ سوراخ میں سے کاغذ کی بتی نظر پڑی۔ ہم لیتے ہوئے چلے گئے۔ یہ پہلا خط تھا۔ جو اس نے ہم کو لکھا تھا اس میں آداب والقاب وغیرہ کچھ نہ تھے۔ صرف یہ لکھا تھا۔ کہ "معاف کر دو آئندہ سوئی کبھی اس طرح نہ چبھوؤں گی۔ کہ انگلی کٹے بلکہ آہستہ سے چبھوؤں گی"۔ ہم کو اس شرارت آمیز معافی کی درخواست کو پڑھ کر ہنسی آگئی۔ قصہ مختصر ہم نے پھر اپنی انگلی اس شریر کو دکھانے کو سوراخ میں ڈالی۔ اس نے دیکھ بھال کر پھر سوئی اس میں چبھو دی۔ مگر حسب وعدہ اس قدر آہستہ سے چبھوئی کہ ہم کو زیادہ تکلیف نہ ہوئی۔ مگر اس کی شرارت کا قائل ہو جانا پڑا۔ ہماری اور اس کی دوستی کی حد بس یہیں تک تھی۔ کہ ہم اپنے بہن بھائیوں کے قصے جب وہ پوچھتی۔ تو بتایا کرتے۔ اور وہ خود اپنے گھر کی باتیں بتایا کرتی۔ کھڑکی چونکہ ایسے مقام پر تھی جو سڑک سے ذرا الگ تھی۔ اور سنسان سی جگہ تھی۔ لہذا ہمیں ہمیشہ کافی موقع ملتا تھا۔ کہ خوب باتیں کریں۔ باپ کی چونکہ اکلوتی بیٹی تھی۔ لہذا باپ اس کو بہت چاہتا تھا۔ اور وہ زیادہ تر اپنے باپ ہی کے قصے سنایا کرتی تھی۔

ہمارے امتحان کا زمانہ قریب آیا۔ تو ہمارے لئے اُس نے بد دعائیں مانگیں تاکہ ہم فیل ہو کر یہیں رہیں۔ آخر وہ دن آیا کہ ہم امتحان دے کر جائیں۔ اور پاس ہونے پر شاید اس شہر میں کبھی نہ آئیں۔ ہم نے اُس کو جب خدا حافظ کہا۔ تو اُس نے متاثر ہو کر ہم سے صرف اتنا کہا۔ کہ "ہماری شرارتوں کو بھول جانا۔ مگر ہم کو نہ بھولنا" ہم چلے گئے۔ مگر ہم کو یہ جملہ یاد رہا۔

(۵)

جب ہم پاس ہو گئے۔ تو علی گڑھ جانے کی ٹھہری۔ کالج میں داخلہ سے پندرہ روز پہلے ہی ہم روانہ ہو گئے۔ کیونکہ ہم کو ہیڈ ماسٹر سے سرٹیفکیٹ لینا تھا۔ کہ ہم بڑے اچھے کھلاڑی ہیں۔ اور ہونہار اور نیک چلن لڑکے ہیں۔ جس روز ہم آئے اسی روز ہم کھڑکی کے پاس پہنچے۔ اور کھڑکی پر ہاتھ مار کر اپنے دوست کو بلا کر سلام علیک کیا۔ ہماری دوست بہت خوش ہوئی۔ اور کہا کہ "اتنے دن بعد آئے ہو۔ ذرا انگلی تو لاؤ۔ تاکہ میں تم کو سزا دوں"۔ ہم نے انگلی داخل کر دی۔ مگر چونکہ اُس کے پاس اُس وقت سوئی وغیرہ نہ تھی۔ اس نے محض نوچنے پر اکتفا کی تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ چلتے وقت اُس نے ہم سے عجب پیرایہ میں یہ کہا کہ "میں نے آج تک تجھ سے کسی کام کو نہ کہا۔ مگر اب میرا ایک کام ہے" میں نے کہا "وہ کیا"؟ تو اس نے کہا "شام کو آنا"۔ ہم پہنچے تو اُس نے سوراخ میں سے ایک رقعہ دیا۔ ہم نے رقعہ کو جو پڑھا۔ تو اس میں صرف مختصر طور پر لکھا تھا جج صاحب کی کچہری میں جہاں اس کے والد کام کرتے ہیں۔ جا کر چپکے سے کسی طرح منشی حامد علی کو دیکھ آؤ۔ اور مجھ کو مفصّل بتاؤ کہ وہ کیسے آدمی ہیں۔ ہم

قبل اس کے کہ کچھ دریافت کریں۔ وہ کھڑکی سے جاچکی تھی۔ جو ہم کو عجیب معلوم ہوا کیونکہ ہم جب تک چلے نہ جاتے۔ وہ کبھی نہ جاتی تھی۔ ہم عجیب چکر میں تھے۔ کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔

دوسرے روز ہم کچہری جی پہنچے۔ اور پتہ لگاکر معلوم کیا۔ کہ یہ حضرت منشی حامد علی کون ہیں۔ عجیب وضع قطع کے آدمی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ گویا چڑی کا بادشاہ بیٹھا ہے۔ جس کی ڈاڑھی بوجہ خراب قسم کے خضاب کے مختلف رنگ پیش کر رہی ہے۔ چہرہ پر جھریاں ایسی پڑی ہیں۔ کہ پیاز کا شبہ ہوتا ہے۔ ہم دروازہ پر کھڑے ہی دیکھ رہے تھے۔ کہ یہ حضرت کھانستے ہوئے باہر نکلے اور ہماری معلومات میں اتنا اور اضافہ ہوا۔ کہ ان حضرت کو دمہ بھی ہے۔ ہم دیکھ بھال کر چلے آئے۔ اور یہ سب باتیں اپنی عزیز دوست کو بتاکر وجہ دریافت کی بجائے شرارت آمیز باتیں کرنے کے وہ چپ تھی۔ ہم حیرت میں تھے۔ کہ اس نے ہم سے کہا کہ "مجھ کو تم اس مصیبت سے بچاؤ۔" ہم کو شبہ تو بیشتر ہی ہوگیا تھا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ اب ہم اصل بات سمجھ گئے۔ حالانکہ ہم کو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ افسوس ہو۔ لیکن نہ معلوم کیوں ہم خود بخود بیحد متفکر ہوگئے۔ اور ہم نے بھی مذاق کو رخصت کرکے نہایت سنجیدگی سے دریافت کیا۔ کہ "کیا سب معاملات طے ہوگئے ہیں۔" اس پر اس نے کہا کہ تاریخ تک مقرر ہوگئی ہے۔ اور اب صرف ڈیڑھ مہینہ رہ گیا ہے۔" ہم وعدہ کرکے آئے۔ کہ اگر ہماری جان میں جان ہے تو ہم تم کو اس مصیبت سے بچائیں گے۔ مگر چلتے وقت ہم نے ازراہ شرارت اتنا ضرور کہدیا۔ کہ "چڑی کے بادشاہ تم کو سلام کہتے تھے" مگر وہاں

الٹ

وہاں تو مذاق ہی رخصت تھا۔

ہم گھر پر آئے تو عجیب خلجان میں تھے۔ عقل نہ کام کرتی تھی۔ کہ آخر کیا کریں ایک غیر شہر جہاں ہم محض بہ حیثیت ایک طالب علم کے رہتے تھے۔ نہ کسی کو پہچانتے تھے۔ دوبارہ جوتے آئے۔ تو ہم نے اقبال کیا کہ ہماری عقل کام نہیں کرتی۔ کہ کس طرح مدد کریں تیسرے روز عاجز آگئے ہم نے یہ صلاح دی کہ تم اپنے والد سے کیوں نہ صاف صاف کسی سے کہلوا دو۔ مگر یہ کہنا بھی گویا ستم تھا۔ اس نے کہا کہ "میں مرنا بہتر خیال کرتی ہوں" اس نے چلتے وقت ہم سے یہ کہا کہ "تم اگر کچھ نہ کرسکو تو اتنا ضرور کر دینا کہ جب جانے لگو۔ تو مجھ کو بازار سے زہر لادینا" ہم سناٹے میں آگیا کہ الٰہی کیا کروں کہ جو اس مصیبت سے اس کو نکالوں۔ سبب ہمارے جانے کے یہ چند ہی روز رہ گئے۔ تو ہم کو ایک ترکیب سوجھی۔

(۶)

ہم نے اپنا بہترین سوٹ نکالا۔ اور کالر اور ٹائی سے درست ہو کر جنٹلمین بن کر دوسرے ہی روز صبح کو جج صاحب مسٹر کلارک کے پاس پہنچے۔ جج صاحب نے ناشتہ کے بعد طلب کیا۔ ہم بہت باقاعدہ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اور ہم نے جج صاحب سے کہا کہ "ہم آپ کے پاس ایک ایسے کام سے آئے ہیں جو آپ کو کرنا پڑے گا۔ اور آپ کا فرض ہے" جج صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا۔ تو ہم نے ان سے یہ کہا کہ "آپ کے دفتر میں کوئی منشی حامد علی ہیں۔ آپ ان کو جانتے ہیں" جج صاحب نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں" اور ان کا حلیہ بیان کیا۔ ہم نے کہا [illegible]

آپ ہی کے دفتر کے سید ضامن علی کی پانزدہ ۱۵ سالہ لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں۔ آپ کو یہ شادی ہر طرح اپنا اثر ڈال کر رکوا دینی چاہیئے"۔ جج صاحب نے متعجب ہو کر ہم سے پوچھا۔ کہ "تم کون ہو جو اس مقابلہ میں دخیل ہوتے ہو"۔ اس کا جواب ہم نے یہ دیا۔ کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا چال چلن کا سرٹیفکیٹ پیش کیا۔ اور پھر کہا "ہم اس معاملہ میں پڑنے والے کوئی بھی نہیں مگر محض قوم کی ابتر حالت کو دیکھتے ہوئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں"۔ جج صاحب نے ہماری پیٹھ ٹھونکی اور ہم سے کہا "کل ہمارے پاس آنا"۔

منشی حامد علی صاحب چونکہ چھ ماہ بعد ہی پنشن پانے والے تھے۔ اور خود دلہا کی حیثیت رکھتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے تو جج صاحب کو صاف جواب دے دیا۔ کہ "صاحب اس معاملہ سے آپ کو کیا مطلب"۔ مگر سید ضامن علی صاحب چونکہ عمر میں اپنے منتخب شدہ داماد سے بہت چھوٹے تھے۔ اور ان کو ابھی بہت دن تک ملازمت کرنا تھی۔ اور جج صاحب کی ایک جنبش قلم سے برخاست ہو سکتے تھے مجبور ہو گئے۔ اور بہت بری طرح ڈانٹے گئے۔ جج صاحب نے ان سے صاف کہہ دیا۔ کہ اگر تم نے شادی کر دی تو تم کو میں یکقلم موقوف کر دوں گا سید صاحب نے یہ عذر کیا۔ کہ صاحب میں لڑکی کی شادی جلد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ جوان ہو گئی ہے۔ اور یہ رشتہ محض میں اس وجہ سے کر رہا ہوں۔ کہ لڑکی آرام سے رہے گی۔ کیونکہ منشی حامد علی صاحب جائداد ہیں۔ اور دوسری جگہ مجھ کو کوئی نظر نہیں آتی۔ جج صاحب نے اس کا جواب دیا کہ "ہم تمہاری لڑکی کی شادی کرا دیں گے"۔

دوسرے روز ہم جج صاحب کے بنگلہ پر حاضر ہوئے۔ اور یہ سن کر ہماری خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ رہی کہ ہمارے دل کی مراد پوری ہوئی۔ جج صاحب نے پھر خود ہی ہم سے ہنس کر دریافت کیا کہ "تم اس لڑکی سے شادی کرنے پر رضا مند ہو یا نہیں؟" نہ معلوم ہمارا دل کیوں دھڑکنے لگا۔ ہم نے کچھ رک کر کہا کہ "صاحب ہم ابھی پڑھتے ہیں۔ ہمارے والد بھی نہیں ہیں۔ اور ہم غریب آدمی ہیں۔" جب جج صاحب کو معلوم ہوا کہ ہمارے والد مرحوم تحصیلدار تھے۔ اور ہم اپنے باپ کے اکیلے لڑکے ہیں۔ تو جج صاحب نے کہا کہ "تم نوکری کیوں نہیں کر لیتے؟" ہم نے کہا "ہم نوکری کریں گے۔ یا جو کچھ بھی کریں گے۔ وہ اپنی تعلیم پوری کرنے کے بعد کریں گے۔ مگر ویسے ہم کو اس لڑکی سے شادی کرنے میں کوئی انکار نہیں۔ ہم کو تو صرف یہی خیال ہے کہ مختصر سی جائداد کی آمدنی پر ہماری اور ہماری ماں ہی کی گذر مشکل سے ہو رہی ہے۔ بیوی کو کہاں سے کھلائیں گے؟" اس کا جواب جج صاحب نے یہ دیا کہ "ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ صرف یہ بتاؤ کہ تم لڑکی سے شادی کرنے کو تیار ہو یا نہیں؟" ہم نے منظور کیا۔ جج صاحب نے ہم کو رات کو بنگلہ پر بلایا۔ وہاں ہم جو پہنچے تو سید صاحب پیشتر ہی سے موجود تھے۔ سید صاحب کی خدمت میں جج صاحب نے ہم کو پیش کر کے کہا کہ "بولو یہ لڑکا تم کو پسند ہے یا نہیں؟" سید صاحب کی کیا مجال تھی۔ کہ چوں بھی کرتے۔ ہم بہرحال پسند کئے گئے۔ ہم سے جج صاحب نے کہا "تم جاؤ۔" چنانچہ ہم واپس سیدھے لڑکی کے پاس آئے۔ اور اس نے جو خوشخبری صبح سنائی تھی۔ اس کی تصدیق کرتے ہوئے صاف صاف کہا کہ "اب ہم تم سے شادی کرنے والے ہو رہے ہیں۔" اس نے اس کو مذاق ہی

تصور کیا اور جو آیا یہ کہا کہ "شاید تمہاری شامت آنے والی ہے"۔ اس پر ہم نے کہا کہ "عنقریب ہم الٹی تمہاری شامت بلانے والے ہو رہے ہیں"۔ ہم نے بہت کچھ سنجیدہ ہو کر کہا کہ ہم مذاق نہیں کرتے، بلکہ واقعی ہماری شادی تم سے طے ہو گئی ہے مگر اس کو یقین نہ آیا کیونکہ نہ تو وہ جھینپی اور نہ اس نے شرارت آمیز باتیں بند کیں

(۷)

ہم بورڈنگ ہی میں مقیم تھے کہ ہمارے پاس ہمارے مہربان ہیڈ ماسٹر آئے جن کو جج صاحب نے بلایا تھا۔ اور وہ ان سے مل کر آ رہے تھے۔ جب گفتگو ہوئی۔ تو ہم نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ "بغیر اپنی والدہ محترمہ کی شرکت یا مرضی کے کچھ نہیں کر سکتے"۔ مگر دوسرے ہی روز ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہمارے والد مرحوم کے ایک دوست کو جو یہاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ لکھ دیا۔ اور انہوں نے اسی روز کچھ گڑبڑ کر کے تار دیا کہ ہماری اماں جان دوسرے ہی روز ان کے گھر پر موجود تھیں۔ اور ہمارے دولہا بنائے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہم سے اور ہماری والدہ صاحبہ سے کہا گیا کہ اس شادی کرنے میں ہماری آئندہ بہبودی ہے۔

چوتھے روز ہمارا نکاح اس شریر لڑکی سے ہو گیا۔ اور طے یہ ہوا کہ رخصتی جب ہوگی۔ جب ہم تعلیم پوری کر چکیں گے۔ ہم کو معلوم ہوا کہ جج صاحب نے ہماری بیوی سے چچا اور بھتیجی کا رشتہ قائم کر کے اس کو بیس روپے ماہوار دینے کا ارادہ کیا ہے۔ ہماری حمیت اس بات کو ہرگز گوارا کرتی۔ مگر چونکہ یہ معاملہ ہمارے خسر صاحب اور جج صاحب کے درمیان کا تھا۔ لہٰذا ہم کچھ نہ بولے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ اب بعد نکاح جو ہم کھڑکی کے پاس پہنچے۔ تو جواب ندارد۔ بہت کچھ ہاتھ مارا۔ کھٹکھٹایا۔ مگر بے سود۔ ہم جھک مار کر چلے گئے۔ اور چلتے وقت بھی وہ ہم سے بات کرنے نہ آئی۔

مگر یہ بے رحمی اور خاموشی زیادہ عرصہ تک نہ رہی۔ کیونکہ ہم کھڑکی بجانے کے لئے چپکے سے چھٹیوں میں علی گڑھ سے بھاگ بھاگ کر آتے تھے۔ اور اپنی شریر بیوی سے مل کر چلے بھی جاتے تھے۔ اور ہمارے خسر صاحب یا کسی دوسرے کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ شرارتیں ہماری بیوی کی پھر اسی طرح جاری ہو گئیں۔ ہم کو اچھی طرح یاد ہے۔ کہ کیسی کیسی خوشامدیں کروائی تھی۔ جب جا کر اور وہ بھی انگلی میں خوب دبائی ہو چکنے کے بعد ہم کو اپنی شریر صورت دکھائی تھی۔

بجائے تعلیم ختم ہونے پر رخصتی ہونے کے ہماری اماں جان ہماری شریر بیوی کو ڈیڑھ سال بعد ہی گھر لے آئیں۔ جب ہم سے ہماری بیوی کی پہلی ملاقات ہوئی۔ تب بھی وہ شرارت سے باز نہ آئی۔ ہم جو کمرہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ لیمپ روشن ہے اور ہماری بیوی خوب اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹے اور سر منہ سب چھپائے ہوئے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ ہم نے فوراً دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کوٹ اتار کر کھونٹی پر ٹانگ دیا اور سامنے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ہم نے کہا۔ "بندہ پرور سلام علیکم۔ کہئے مزاج تو بخیر ہیں"

کہتے ہوئے ہم نے رضائی گھسیٹ کر الگ ڈال دی۔ مگر وہ نہ بولی۔ تو پھر ہم نے ازراہ تمسخر کہا۔ "کہئے وہ آپ کی شرارتیں کیا ہوئیں۔ کیا گھر چھوڑ آئیں۔" مگر جب ہم نے جواب نہ پایا۔ تو ہم پلنگ پر بیٹھ گئے۔ اور ہم نے کہا۔ "لاؤ ہم

اپنی شریر بیوی کو ذرا گلے تو لگالیں "۔ یہ کہہ کر ہم نے اس شریر کو گلے سے لگایا ہی تھا کہ ران میں اس نے ایسی بیدردی سے سوئی چبھوئی۔ کہ ہم بیتاب ہو کر اچھل ہی تو پڑے۔ پھر اُس کے بعد ہماری بیوی نے ہم سے سوئی کا مذاق نہ کیا۔

ہماری اس شریر کے ساتھ خوب نبھی اور مزے سے نبھ رہی ہے۔ اور یہ محض اسی شادی کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہماری بیوی کے ساختہ چچا یعنی جج صاحب نے ہم کو تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی ایسی ملازمت دلوا دی۔ کہ اب ہم مقدمے فیصل کرتے ہیں۔

چونکہ ہماری کورٹ شپ کی داستان لوگوں کو دلچسپ معلوم ہوئی۔ لہذا ہم نے بھی اُس کو بہت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کیا ہے۔

تیسرا باب

تیسری بیوی

کونین کی تاثیرات

ویسے تو ہماری بہت سی خالائیں ہیں۔ مگر ایک ان میں سے جو سب سے چھوٹی ہیں وہ بہت فرسٹ کلاس ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ ہمیں زیادہ چاہتی ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ہمیں اور ہماری بیوی کو وہ بہت پسند کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے یہاں آئیں۔ تو ہماری بیوی کا نام چاندنی رکھ گئیں۔ وہ کہنے لگیں۔ کہ تیری بیوی چونکہ چاندنی کی طرح کھلی ہوئی ہے۔ لہذا اس کا نام چاندنی بہت ٹھیک ہے۔ ہم نے کہا کہ آپ کو نہیں معلوم یہ ہرگز اس لائق نہیں۔ کہ اس کا نام چاندنی رکھا جائے۔ بلکہ ہم تو اس کا نام اندھیرا وغیرہ رکھنے والے ہو رہے ہیں۔ مگر وہ نہ مانیں۔ اور انہوں نے ہماری نیک نہاد بیوی کو چاندنی کا لقب دے ہی دیا۔ ہم روز بجائے چاندنی کے اس کو اندھیرا ہی کہلے گئے۔ مگر آخر کو ہم بھی چاندنی کہنے لگے۔ جو اب تک چلی آتی ہے۔ اور آئندہ ہم یہاں بھی چاندنی لکھیں گے

(۱)

ملازمت ایسی چیز ہے۔ کہ ایک جگہ رہنا ہی نہیں ہوتا۔ مگر ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ جہاں جانا ہوتا ہے۔ وہاں نئے احباب و دوست پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ ہمارے ایک دوست اس نئی جگہ پیدا ہو گئے۔ یہ کشمیری پنڈت تھے۔ اور نہر میں انجینیر تھے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان سے بہت یارانہ ہو گیا۔ جس کی وجہ شاید یہ تھی۔ کہ چاندنی کی اور ان کی بیوی کی خوب گھٹتی تھی چاندنی ان کے یہاں اکثر جایا کرتی تھی۔ ان کے بنگلہ پر ایک بڑا سا نہانے کا حوض دیکھا۔ تو اُن کی بیوی سے کہا۔ کہ آخر کیوں نہ اس کو صاف کروا کے بھرا جائے۔ یہ حوض بالکل میلا پڑا تھا۔ تیرنا سیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور نہر سے اس میں پانی آنے کا راستہ تھا۔ چاروں طرف سے بند تھا۔ اور چھت پر ٹین چھایا ہوا تھا۔ دونوں کی رائے ہو گئی۔ اور پنڈت جی کی بیوی نے اس کی صفائی وغیرہ شروع کرا دی۔ اس حوض کے شوق میں چاندنی دیوانی ہو رہی تھی کئی دن حوض کی مرمت اور صفائی دیکھنے کے لئے گئی۔ اور بڑی دلچسپی لے رہی تھی۔ ہم نے اس کے لئے بمبئی سے نہانے کا زنانہ سوٹ منگا دیا جس کو دیکھ کر انجینیر صاحب کی بیوی نے بھی منگایا۔ بڑے شوق اور انتظار کے بعد وہ دن آیا۔ کہ حوض بھر گیا۔ اور وہ نہانے گئی۔ عمر میں پہلی مرتبہ اُسے پانی میں کھیلنے کا موقع ملا۔ تو وہ روزانہ جانے لگی۔ رفتہ رفتہ اس شوق نے متعدی صورت اختیار کی اور دوسری عورتوں کو بھی شوق ہو گیا۔ اور انجینیر صاحب کے بنگلہ پر گویا نہانے اور تیرنے کا ایک زنانہ کلب قائم ہو گیا۔ ہم اس کلب سے سخت پریشان تھے۔ کیونکہ یہ تو روز کا جھگڑا ہو گیا

یہ بیوی شادی کرنے چلی جاتی۔ اور ہم شام کو ادھر ادھر مارے پھرتے ہم بہت کوشش کرتے کہ کسی روز تو نہ جائے۔ اور اس کو روکتے مگر وہ کہتی تھی۔ اب تم کتب وغیرہ جانا شروع کر دو۔ میں تیرنا سیکھ رہی ہوں ہم کہتے سنئے ایک۔ ایک دن تو ڈوبے گی اور پھر الٹی لٹکا دی جائے گی۔ اور خواہ مخواہ ہم پریشان ہوں گے۔ انجینیر صاحب کے ہاں ان کی بیوی نے یہ مشورہ دیا تھا کہ موٹر کے ٹیوب میں ہوا بھر کر اس کی مدد سے تیرنا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے دو ٹیوب موٹر کے منگا کر دیئے۔ قصہ مختصر ان کو ایسا شوق لگ گیا کہ دن بھر یہی انتظار کرتی رہتی کہ کب شام ہو اور میں جاؤں۔ وہاں سے آکر اپنی شادی اور غواصی کے دلچسپ قصے سنایا کرتی۔ شریر تھیں وہاں کئی اس کے ساتھ تھیں۔ اور یہ اس کا دلچسپ مشغلہ تھا کہ کسی نووارد بی بی کو چپکے سے پانی میں جھکڑ کر ٹانگ گھسیٹ کر ڈبو دیا۔

یہ حوض دراصل محض تیرنے اور نہانے ہی کے لئے بنایا گیا تھا۔ تیسرے روز نہر سے صاف پانی اس میں بھروایا جاتا تھا۔ ایک طرف اس میں دو تین سیڑھیاں تھیں اور کم پانی تھا۔ مگر آگے کو دوسری طرف سطح ایسی ڈھلوان تھی کہ گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔ حتیٰ کہ دوسرے کنارہ پر قد آدم سے بھی گہرائی زیادہ تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ چاندنی نے ہم سے کہا آج ہم بہت جلد جائیں گے کیونکہ انجینیر صاحب کے یہاں آج کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اور دوسری بیبیاں بھی آئینگی۔ ہم سے کہا کرتی تھی کہ اب ہم کچھ تیر لیتے ہیں۔ وہاں آج کافی عورتوں کا مجمع تھا۔ اور چاندنی کو ایک اور شریر بی بی وہاں مل گئیں۔ ان دونوں

نے یہ رائے کی کہ ایک بی بی کو جو پانی میں بہت ڈر رہی تھیں گھسیٹا جائے۔ ان دونوں نے چنانچہ ایسا ہی کیا اور پھر پانی میں ایسا ہلڑ مچایا کہ وہ بیچاری گہرے پانی کی طرف گر پڑیں۔ اس گڑبڑ میں انہوں نے چاندنی کو بھی گھسیٹ لیا۔ اور نتیجہ اس کا یہ ہؤا کہ گہرے پانی میں دونوں غوطہ کھانے لگیں۔ حالانکہ موٹر کے ٹیوب پانی میں موجود تھے۔ لیکن وہاں ہوش ہی بجا نہ تھے۔ جو اُن کی امداد لی جاتی غرض ایک دوسرے کو اس طرح پکڑ کر غوطہ کھا رہی تھیں۔ کہ نوبت ڈوبنے تک کی پہنچی اور بیبیوں نے بہ ہزار دقت ایک ساری اندر پھینکی۔ جس کا سرا پکڑ کر دونوں نکل آئیں۔ مگر برا حال تھا۔ ناک اور منہ سے نہ معلوم کتنا پانی پیٹ میں جا چکا تھا۔ اور عجب نہیں۔ کہ اگر تھوڑی دیر اور لگ جاتی تو دونوں ڈوب جاتیں +

ہم گھر پر انتظار کر رہے تھے۔ کہ وہ مسکراتی ہوئی پہنچی۔ ہم نے کہا کہ "آج یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ جلدی آگئیں"؟ تو اس نے قصہ سنایا۔ ہم سمجھے کہ معمولی سی بات ہے۔ لہذا ہم نے خوب بیوی کا تماشا بنایا۔ اس کو پیاس لگ رہی تھی۔ اور اُس نے دو مرتبہ دو دو گلاس پانی پیا۔ اور پھر بھی پیاس نہ بجھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کو ایک قے ہوئی۔ اور طبیعت خراب ہو گئی۔ کھانسی علیحدہ تھی۔ اتنی تکلیف ہوئی کہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ شاید پھیپھڑوں پر بھی کچھ پانی کا اثر پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ کھانسی بہت آ رہی تھی۔ دوا انہوں نے کہا صبح دی جائے گی۔ پہلے پیٹ میں سے پانی نکلنا چاہیئے۔ انہوں نے جو علاج کیا وہ ہمیں بہت پسند آیا۔ ایک چارپائی انہوں نے منگائی۔ اور اُس کی پائنتی خوب اونچی کر دی۔ پھر چاندنی سے کہا۔ کہ اس پر لیٹو۔ اُس کو اس طرح لٹکایا کہ منہ سرہانے

لٹکائے رہے۔ اور اوندھی پڑی رہے۔ پیٹ کے نیچے ایک تکیہ رکھ کر ہم اس پر تعینات کیئے گئے۔ کہ وقتاً فوقتاً اس کو اوپر سے دبا دبا کر قے کرائیں۔ ڈاکٹر صاحب کے جاتے ہی ہم نے کہا۔ کہو ہم نہ کہتے تھے۔ کہ الٹی لٹکائی جاؤ گی۔ قصہ مختصر دو تین گھنٹے تک تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کو دباتے۔ پھر قے ہوتی رہی۔ اور اتنا پانی نکلا کہ ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ قے کرتے کرتے بیچاری پریشان ہو گئی۔ اور ہلکان ہو کر حرارت سی ہو گئی۔ اس کو بڑی بے چینی تھی۔ اور نیند نہ آتی تھی۔ اور گھبراہٹ اور پیاس تھی۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کو تھپک تھپک کر اور سر سہلا سہلا کر سلایا صبح اٹھی۔ تو طبیعت رات کی تکلیف کی وجہ سے کسلمند اور بہت کمزور تھی۔

ہم کچہری سے واپس آئے۔ تو دیکھا۔ کہ چارپائی پر چادر اوڑھے لیٹی ہوئی ہے۔ ہم جانتے تھے کہ ضرور جاگ رہی ہوگی۔ اور بنی پڑی ہے۔ چنانچہ ہم نے آتے ہی گدگدایا۔ اس نے ہنستے ہوئے چادر کو جو منہ سے سرکایا تو ہم کیا دیکھتے ہیں۔ کہ چہرہ تمتمایا ہوا ہے اور سرخ ہو رہا ہے۔ ہم نے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ تو بخار تھا۔

اب چاندنی کو باری سے بخار آنے لگا۔ بخار بند ہوا۔ تو پھر طبیعت خراب رہنے لگی۔ ہم نے حکیم کا علاج تجویز کیا۔ وہ نہ معلوم کیوں حکیموں کے علاج کے خلاف تھی بمشکل راضی ہوئی۔ حکیم صاحب کو دوسرے روز ہم نے بلوایا۔ یہ حکیم واقعی کچھ یونہی سے تھے۔ چاندنی نے جو ان کو دیکھا۔ تو اور بھی خراب رائے قایم کی۔ حکیم جی نے حال پوچھا۔ اور مفصل کیفیت سنی۔ ہاضمہ کا جو حال پوچھا تو اس کو شرارت سوجھی۔ اس نے ان سے کہا۔ کہ ہاضمہ تو میرا آجکل ایسا ہے

کہ جو کھاؤں۔ وہ سب ہضم ہو کر پورا پورا خون بن جاتا ہے۔ جب تک کہ فضلہ تک نہیں بنتا۔ حکیم صاحب کی سمجھ میں نہ آیا۔ کہ آیا وہ اس کو تجاہل عارفانہ خیال کریں۔ یا واقعی یہ سمجھیں۔ کہ مریض مغالطہ میں ہے۔ بہرحال انہوں نے اوّل تو قبض کے متعلق اعادہ کیا۔ پھر نسخہ لکھا۔ چاندنی اٹھ کر دو کھوٹے روپے نکال کر لائی جو ہم نے اُن کے نذر کئے۔ ہمیں اس کا علم بعد میں ہوا۔ اور ہم نے کھوٹے روپے واپس لے لئے۔ حکیم جی کا نسخہ اُس نے فوراً پھاڑ ڈالا۔ اور پھر ڈاکٹری علاج شروع کر دیا جس میں کونین کا استعمال زیادہ رہا۔ مگر جلدی ہی آرام ہو گیا ڈاکٹر صاحب نے ہم سے کہا تھا۔ کہ اگر نینی تال ان کو لے جاؤ۔ تو بہت جلد طبیعت درست ہو جائے گی چنانچہ ہم نے اس سے وعدہ کر لیا کہ تجھ کو ضرور نینی تال کی سیر کرائیں گے۔

(۲)

ان دنوں کونین کے استعمال سے معلوم چاندنی کو کیا ہو گیا۔ پہلے ہی کیا کم اپنی شرارتوں میں کونین کا استعمال کرتی تھی۔ اور اب تو گویا وہ دیوانی ہو گئی ایک بڑی سی بوتل میں اُس نے سیکڑوں گرین کونین گھول کر نہایت ہی تیز مکسچر تیار کرایا اور پڑیاں علیحدہ تھیں۔ شکر میں کونین ملی ہوئی علیحدہ رکھی گئی۔ اور یہ سب محض شرارت کی نیت سے تختۂ مشق ہمارے دوست ہی موقعہ بموقعہ نہیں بنتے تھے۔ بلکہ ہم اور اکثر دوسرے لوگ بھی شرارت کا نشانہ بنتے تھے۔ اور پھر ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے تھے۔ جن سے مذاق کرنا مقصود ہی نہ ہوتا تھا۔ ہماری باہر کی الماری میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی

رہتی تھیں۔ ہم تو صرف وقت پر بیوی کے ساتھ ہی کھاتے تھے۔ اور وہ خود ہی نکالتی تھی۔ مگر ہمارے دوست احباب اکثر وقت بے وقت اس پر ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ ایک صاحب اس الماری پر حملہ آور ہوئے۔ ایک بسکٹ لے کر انہوں نے کچھ رس بھری کا جام اُس پر لگا کر جو کھایا۔ تو بس بل کھا گئے۔ اور تھو تھو کرتے پھرے۔ دوڑ کر برآمدہ سے صراحی لے کر جو کلی کی۔ تو اور بھی لطف آیا۔ وہاں ایک کے بجائے آج دو صراحیاں رکھی تھیں۔ اور ان میں سے ایک میں کونین گھلی ہوئی تھی۔ ہم نے دیکھا۔ کہ اس صراحی پر ایک لیبل لگا ہے کہ یہ پانی پینے کا نہیں ہے۔ ہم اندر پہنچے۔ کہ بیوی سے اس نالائقی کا سبب دریافت کریں۔ تو وہاں اور ہی رنگ تھا۔ وہ مرغیوں کو گھیرے ہوئی آہستہ آہستہ گھیر کر پانی کے کونڈے کی طرف لا رہی تھی۔ ہم جو آئے تو مرغیاں کو ڈر کر بھاگ گئیں۔ قبل اس کے کہ ہم کچھ کہیں وہ ہم پر خفا ہونے لگی کہ مرغیاں کیوں بھگا دیں۔ ہم نے کہا کہ آخر کیا ہوا۔ تو وہ کہنے لگی۔ ہم انہیں پانی پلانے لائے تھے۔ ہم نے وجہ پوچھی۔ تو ہنسنے لگی۔ معلوم ہوا۔ کہ مرغیوں کے کونڈہ میں کونین ملا کر رکھی گئی ہے۔ ہم نے اُس سے کہا کہ آخر یہ کیوں۔ تو اس قدر موذی ہو گئی ہے کہ جانوروں تک کو پریشان کرتی ہے۔ اور پھر شکایت کی کہ آخر یہ کیا حماقت ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں اور پینے کے پانی میں کونین ملائی۔ اُس نے کہا۔ اس لئے کہ ہر کوئی نہ کھا جائے۔ اور صراحی میں اس لئے ملائی۔ کہ دیکھوں دن میں کتنے عقلمند آتے ہیں اور کتنے بے وقوف۔ کیونکہ صراحی پر لکھا ہوا ہے۔ کہ یہ پانی پینے کا نہیں ہے پھر بھی لوگ نہ مانیں۔ تو کیا کیا جائے۔ ہم کھڑے [illegible] رہے تھے

کہ ملازم لڑکا کتے کو بلا کر لایا۔ اس کا کھانا اُس کے برتن میں رکھا ہوا تھا۔ ہم نے کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ کتے کو اس وقت کھانا دیا جا رہا ہے۔ تو وہ کہنے لگی۔ تم رہنے دو ہم ہنسی سے سمجھ گئے۔ غریب کتے نے جو تیزی سے ڈبل روٹی اور دودھ کھایا تو وہ بھی تھوکنا پھرا۔ اور چاندنی تماشا دیکھ کر دیوانوں کی طرح ہنسی کے مارے لوٹتی پھری۔ ہم بھی ہنسنے لگے۔ کہ کیا تماشا بیوی ہمیں ملی ہے۔ اتنے میں دوڑی گئی۔ اور ایک رکابی لائی۔ اس کو کھول کر جو دکھایا۔ تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ بہترین انڈوں کا حلوا ہے۔ زعفران اور کیوڑہ کی مہک سے دماغ معطر ہو گیا چاندی کے ورق لگے ہوئے ہیں۔ اور بادام اور پستہ کی ہوائی چھڑکی ہوئی ہے۔ ہم نے کہا۔ یہ تو بڑے زور کا مرغن تم نے تیار کیا۔ ہمیں بالکل خیال نہ آیا۔ کہ اس نالائق نے اتنے دام خراب کر کے اس کو بھی کڑہ ڈالا ہے۔ فوراً ایک لقمے ہی تو لیا۔ وہ پلیٹ رکھ کر بے دم ہو کر کمرہ میں پلنگ پر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو کر جا پڑی۔ ہم نے فوراً حلق کڑوا ہونے سے پہلے ہی تھوک دیا۔ اور پھر اس کو شرارت کی سزا پر گدگداتے گدگداتے بے دم کر دیا غرض دن رات اس کو اب کونین کے مذاق سوجھتے تھے۔ وہ کہتی تھی۔ کہ میرا بس نہیں۔ جو تمام بازار کی مٹھائیوں میں کونین ملادوں۔ غرض کونین خورانی کی مشق آج کل زوروں پر تھی۔ مگر ہم نہ جانتے تھے۔ کونین خورانی کیا کیا رنگ لانے والا ہے

(۳)

ہم نے چاندنی سے کہا کہ اگر تجھ کو واقعی نینی تال جانا ہے۔ تو ذرا شرارتیں کم کر۔ ورنہ تیرا وہاں جانا منسوخ ہوگا۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ اگر کہیں ایسا ہو گیا۔ تو

پھر سمجھ لو۔ کہ سارے گھر میں کونین ہی کونین نظر آئے گی۔ نینی تال کے جانے کی تیاری اس نے بڑے زور سے کی اسباب گو مختصر تھا۔ مگر کچھ کپڑے گرم بھی تھے۔ چلتے وقت بجائے ایک ڈبیہ پان بنانے کے ہم نے دیکھا۔ کہ پان کی دو ڈبیاں تیار ہو رہی ہیں۔ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ ایک میں کڑوے پان ہیں۔ ورنہ ہم اس شرارت کو روک دیتے۔ محض پالنوں کی وجہ سے دراصل گاڑی میں ایسی دیر ہوئی۔ کہ ہم ٹکٹ تک نہ خرید سکے۔ اور بمشکل چلتی گاڑی میں اسباب وغیرہ جس طرح بنا رکھوا کر ایک مروانہ ڈبوڑھے درجہ میں بیٹھ گئے۔ جو اتفاق سے سامنے ہی تھا۔ اس میں کافی گنجائش تھی۔ اور چاندنی نے فوراً بچھونے کھولنے کو کہا۔ ہم نے کہا کہ یہ انٹر کلاس ہے۔ اس وقت خالی ہے۔ مگر آگے چل کر شاید بھر جائے۔ مگر اس نے کہا کہ نہیں جب جگہ کافی ہے۔ تو خواہ مخواہ کیوں زیادہ دام خرچ کئے جائیں۔ اور یہ واقعہ تھا۔ کہ یہ ڈبہ بہت بڑا تھا۔ اور صرف تین ہی آدمی تھے اس سے زیادہ جگہ کیا ملتی۔ مگر ہم جانتے تھے کہ آگے چل کر ضرور مسافر آئیں گے۔ اور عجب نہیں کہ سونا بھی نہ ملے۔ اس نے کہا کہ بچھونے اوپر کی معلق بنچ پر لگا لو۔ تاکہ پھر سب جھگڑا ہی جاتا رہے۔ چنانچہ ہم نے یہی کیا۔ ایک پر اُس کا بچھونا لگایا۔ اور اس کے نیچے جو سیٹ تھی۔ اُس پر ہم بیٹھ گئے۔ کیونکہ ہم کو ابھی گلے اسٹیشن پر ٹکٹ خریدنا تھے۔ بیوی کو تو ہم نے اوپر چڑھا دیا۔ اور وہ مزے سے تکیہ لگا کر لیٹ گئی۔ اگلے اسٹیشن پر موقع نہ ملا۔ مگر ہم نے گارڈ سے کہہ دیا۔ دوسرے اسٹیشن پر ہم ٹکٹ لے کر جو واپس آئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھاری بھرکم لالہ صاحب ہماری سیٹ پر قبضہ کر کے دراز ہیں۔ تمام

اسباب اُن کا ڈھیر کا ڈھیر اوپر تلے رکھا تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ حضرت دوسری جگہ خالی ہوتے ہوئے آپ نے ہماری جگہ کیوں لے لی۔ اور وہ کہنے لگے۔ آپ کونے کی جگہ چاہتا تھا۔ ہم نے دوسری کونہ والی جگہ بتائی۔ تو انہوں نے کہا وہاں پاخانہ ہے۔ جب ہم نے کچھ آگے بحث کی۔ تو وہ بولے کہ حضرت آپ کا نام تو اس جگہ پر لکھا نہ تھا۔ اور نہ آپ نے اپنی جگہ جبٹر کرائی تھی۔ جتنا حق آپ کو ہے اُس سے زیادہ مجھ کو ہے۔ ہم چپ ہو گئے۔

گو ڈبہ کافی بڑا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ مسافروں کا ہجوم ہونا شروع ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ ہمیں نیند آ رہی ہے۔ اور ہم نے سوچا کہ اگر مسافروں کی آمد کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ تو ہم نیچے آرام سے نہ سو سکیں گے۔ لہٰذا ہم نے اس اوپر والی معلق نیچ پر بچھونا کیا۔ جو چاندنی کی جگہ سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ دراصل ایک کھڑکی کا فاصلہ بیچ میں تھا۔ ہمیں نیند آنے والی تھی۔ کہ نیچے کچھ سیاسی معاملات پر گفتگو ہونے لگی چونکہ ہمیں بھی سیاسیات میں کافی دخل ہے۔ لہٰذا ہم بحث کرنے نیچے آ گئے۔ ہم تو سیاسیات پر بحث کر رہے تھے مگر ہماری شریر بیوی حسب معمول کچھ اور ہی کر رہی تھی۔ دراصل اُس کو اپنے نیچے کی منزل میں رہنے والے مسافر پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ اور وہ بدلہ لینے کی فکر میں تھی ان حضرت نے ایک سٹیشن پر کچھ کھانے کا انتظام کیا۔ سب سے پہلے اپنے لوٹے میں پانی بھر کر رکھا۔ چاندنی نے جیب سے چھوٹی شیشی نکال کر چپکے سے اس میں کونین مقطر اس صفائی سے ڈالی۔ کہ انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی کیونکہ یہ خرید و فروخت میں لگے تھے۔ وہ اٹھ کر باہر گئے۔ اور کھڑکی میں سے اپنی جگہ پر لیا

اور ترکاری خرید کر رکھی۔ اور مٹھائی والے سے گفتگو میں لگے اتنے میں اس شریر نے پوریوں کے ساگ کو بھی کڑوا کیا۔ لوگ ایسے باتوں میں مشغول تھے۔ کہ اس نے اوپر سے چپکے سے شیشی میں سے بوندیں ٹپکا دیں اور کسی کو پتہ تک نہ چلا۔

ہم بڑے مزے سے پالیٹکس پر بحث کر رہے تھے۔ کہ زور سے تھوکنے اور خاخا کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا۔ تو لالہ صاحب چلتی گاڑی سے سر باہر نکالے تھوک رہے ہیں۔ لوٹا لے کر کلی جو کی۔ تو اور بھی مزا آگیا بری طرح کھنکار کر تھوک رہے تھے۔ ہم نے پوچھا۔ کہ حضرت یہ کیا مصیبت ہے۔ تو وہ سخت پریشان ہو کر تھوکتے ہوئے بولے کہ صاحب پوری والے نے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ زہر دے دیا۔ مگر پانی کیسے کڑوا ہو گیا یہ معمّا کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔

ہم نے دل میں کہا۔ ارے غضب ہو گیا کیونکہ ہم جان گئے کہ یہ کس کی کارستانی ہے۔ وہ اپنی چادر کے ایک گوشہ سے جھانک کر تماشا دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ہم نے اس کی طرف دیکھا۔ کہ اس نے منہ بند کر لیا۔ لالہ صاحب نے پوریاں اور ساگ پھینک دیا۔ اور پانی بھی پھینک دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لالہ صاحب مٹھائی پر اکتفا کر کے رومال سے منہ پونچھ کر لیٹ گئے۔ لالہ صاحب کے سرہانے ایک بکس رکھا تھا۔ اس پر ایک بنڈل تھا۔ اور اس کے اوپر ایک ٹوکری رکھی تھی۔ وہ اُٹھے اور انہوں نے اس میں سے ایک بڑا سا نہایت

خوشبودار امرود نکال کر کھایا۔ اور پھر اسی طرح لیٹ گئے۔ ہم پھر باتوں میں مشغول ہو گئے جب تھک گئے اور نیچے کافی مسافر بھر گئے۔ تو ہم اپنی جگہ سے سونے کی نیت سے اٹھے۔ نیچے کی نیچ پر لالہ صاحب بے خبر سو رہے تھے۔ ہم چارپائی کے پاس آئے۔ اور ہم نے اس کے کان میں انگلی ڈال کر کہا کہ اگر تو شرارتوں سے باز نہ آئی۔ تو ضرور اس سفر میں کہیں ماری پیٹی جائے گی ٭

ہم اپنی جگہ پر چڑھ گئے۔ ہم لیٹے ہی تھے۔ کہ ہماری پیٹھ میں کوئی چیز گول گول گڑی۔ ہم نے جو اٹھ کر دیکھا۔ تو تین بڑے بڑے الہ آبادی امرود پائے۔ ہم فوراً جان گئے۔ کہ اس نے ایک ٹوکری میں سے یہ امرود چرا لئے ہیں۔ ہم نے جو ادھر دیکھا۔ تو وہ چپکے چپکے ہنس رہی تھی۔ اور انگلی کے اشارہ سے چاقو مانگ رہی تھی۔ وہ دراصل چادر میں منہ لپیٹے امرود کتر کر کھا رہی تھی۔ ہم نے چاقو نکالا۔ اور امرود حلال کر کے بیوی کو دیا۔ امرود کی ٹوکری اس کی پائینتی کے پاس تھی۔ اور اب اس نے اپنا سر ادھر کر کے چپکے چپکے ٹوکری سے امرود نکالنا شروع کئے۔ کیونکہ ٹوکری کا منہ بالکل اوپر کے تختہ سے ملا ہوا تھا۔ لالہ صاحب کو پتہ ہی نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے امرود اس نے ایک ایک کر کے ہمارے اوپر پھینکنا شروع کئے۔ ہم اشارہ سے کہہ رہے تھے۔ کہ ضرور تو ماری جائے گی۔ اور دراصل ہم سخت گھبرا رہے تھے۔ کہ کہیں یہ چوری کرنے میں پکڑی نہ جائے۔ ایک ایک کر کے اس نے سب امرود نکال لئے۔ اور ہم سے اشارہ سے کہا کہ نیچے لوگوں کو بانٹ

دو۔ ہم نے پھر دیکھا اور امرودوں کے مالک صاحب کو بے خبر سوتے پایا۔ لہٰذا ہم نے جلد سے اتر کر بے تکلف ہو کر تمام لوگوں کے ہاتھوں میں دو دو امرود دے دیئے۔ اور بقیہ سب کے بیچ میں ایک بنچ پر رکھ دیئے۔ کہ کھایئے۔ ان میں سے ایک صاحب شاید چاندنی کی یہ تمام شرارتیں دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ وہ کونے میں بیٹھے چپکے چپکے مسکرا رہے تھے۔ چاندنی نے ان کو دیکھا۔ اور وہ سمجھ گئی۔ لہٰذا ان سے انگلی سے خاموشی کو کہا۔ اور وہ ہنس کر سر ہلانے لگے۔ کہ میں نہ بولوں گا۔ ہم بدستور اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئے۔ نیچے لوگ بے تکلفی کے ساتھ امرودوں کی دعوت اڑا رہے تھے کہ اسٹیشن آیا۔ اور ریل کے جھٹکے سے لالہ صاحب جاگ اٹھے۔ وہ حضرت جو اس کونہ میں بیٹھے تھے۔ اور اس شرارت سے واقف تھے انہوں نے ایک صاحب سے کہا کہ جناب لالہ صاحب کو بھی امرود کھلایئے۔ لوگوں نے جب ان سے کہا تو کہنے لگے کہ میرے پاس خود الہ آباد کے امرود موجود ہیں۔ ایک صاحب بولے کہ بہتر ہوتا اگر آپ کم از کم اپنے امرودوں کا نمونہ ہی چکھاتے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا "بڑے شوق سے ٹوکری سے نکال لیجئے"۔ ایک صاحب اٹھے اور انہوں نے ٹوکری میں ہاتھ ڈال کر اس کو خالی پا کر کہا کہ "واہ جناب آپ خوب مذاق کرتے ہیں۔ یہاں تو پتہ تک نہیں ہے"۔ یہ سنکر وہ تڑپ کر اٹھے اور ٹوکری کو خالی پا کر چاندنی کی طرف دیکھا۔ جو اس وقت امرودوں کی ٹوکری کی طرف پاؤں کئے ہوئے اور چادر اوڑھے ہوئے گویا بے خبر سو رہی تھی۔ ان کی اس پریشانی پر شاید

لوگ اس معاملہ کو سمجھ گئے۔ اور ایک فرمائشی قہقہہ اُڑا۔ بچارے یہ کہہ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ کہ یہ مذاق ٹھیک نہیں ہے۔

صبح ہم بریلی کے اسٹیشن پر اترے۔ اسباب ویٹنگ روم میں رکھوایا ناشتہ کیا۔ اور بریلی شہر کی خوب سیر کی۔ دوپہر کو واپس آکر کھانا اسٹیشن پر کھایا۔ جب چاندنی کو معلوم ہوا۔ کہ کھانے کے دام پورے ساڑھے سات روپے چارج ہوں گے۔ خواہ ہم کُل کھائیں۔ یا تھوڑا۔ تو اُس کو بہت غصہ آیا۔ دراصل صبح ناشتہ زیادہ کر لیا تھا۔ اور اس وقت کچھ کھایا نہ گیا۔ ہم نے دیکھا بھی نہیں۔ اور جب ہم ہاتھ دھو رہے تھے۔ تو اُس نے کونین سے سب کھانا بچا ہوا خراب کر دیا۔ صرف یہی نہیں کیا۔ بلکہ ہم تو کھانے کی قیمت ادا کرنے میں لگے۔ اور اُس نے موقعہ پاکر باہر کے برآمدہ میں جو چائے کی بڑی کیتلی انگیٹھی پر رکھی تھی۔ اُس کو بھی خراب کر دیا۔ ہم دونوں فوراً پھر شہر روانہ ہو گئے۔ دو چار کرسیاں اور میزیں خرید کر گھر روانہ کرائیں۔ اور پھر مختلف مقامات کی سیر کرنے چلے گئے۔ چراغ جلے کے۔ بعد اسٹیشن پر بہت دیر میں واپس آئے۔ اور ہمیں یہاں آکر معلوم ہوا۔ کہ ہوٹل کے نوکروں نے کھانا کھا کر خوب تھوکا۔ اور علاوہ اس کے کئی مسافروں سے کڑوی چائے پلانے کی وجہ سے بڑا قصہ طول پا گیا۔ حتےٰ کہ ایک انگریز نے ہوٹل کے بیرے کو مارنے مارنے چھوڑا۔ ہم چپ تھے۔ اور ہم نے خفا ہو کر چاندنی سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تیری قطعی شامت آئی ہے۔ اور تو خود مار کھائے گی۔ اور شاید ہمیں بھی پٹوائے گی

وہ بھی محض اپنے موذی پن کی بدولت کہ نہ خود کھائے۔ اور نہ کسی کو کھانے دے۔ آخر اُس سے کیا فائدہ ہمارے اس لکچر کا الٹا ہوا۔ اور وہ کہنے لگی۔ کہ تمہاری بلا سے ہم مارے جائیں۔ تو تم ہم کو نہ بچانا۔ ہم تو ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اور وہ تن تنہا ہوکر پلیٹ فارم پر سیدھی ٹہلنے چلی گئی۔ سب سے پیشتر اس نے یہ موذی پن کیا کہ مسلمانوں کی پانی والی گھڑونچی کا معائنہ کر کے سارا پانی کڑوا کیا۔ اس کے بعد تو اور بھی غضب کیا۔ اور وہ یہ کہ ریلوے افسروں کے کمرہ کے آگے ایک صراحی رکھی تھی۔ اس کو بھی کڑوا کیا۔ وہاں سے وہ سیدھی ہندوؤں کے پینے کے پانی کے پاس گئی۔ مگر وہاں سخت پہرہ تھا۔ وہ وہاں گھوم ہی رہی تھی کہ ہم بھی پہنچے۔ اور چونکہ شرارت اُس کے چہرہ سے عیاں تھی۔ لہذا ہم سمجھ گئے۔ اور اس کو پکڑ لائے۔ اور کہا کہ کمبخت تجھ کو یہ آج کیا ہوگیا ہے۔ کیوں مار کھانے کی باتیں کر رہی ہے مگر یہ سب بے سود تھا۔ کیونکہ وہ پھر ہمارے پاس سے سرک گئی۔ اور اب اُس نے ایک اور ہی شرارت کی۔ پان والے کو ذرا ایک علیحدہ سی جگہ میں کھڑے ہوکر بلایا۔ اُس سے دو آنہ کے پان لئے اور ہمارے لئے خواہ مخواہ سگرٹ کی ڈبیہ خریدی۔ اور اس کو دس روپے کا نوٹ دیا۔ یہ اُس سے پوچھ لیا تھا۔ کہ اُس کے پاس پانچ کے نوٹ کے روپیہ ہیں۔ بعد میں کہا کہ پانچ کا نوٹ نہیں دس کا ہے۔ وہ خوانچہ رکھ کر نوٹ کے روپے لینے گیا اور یہاں اُس نے کتھا اور چونہ بالکل کڑوا کر دیا۔ ہمیں اسکا قطعی علم نہ ہوا۔ یہ شرارت کر کے وہ واپس آئی۔ اور مسکرا رہی تھی۔ ہم نے کہا کیا...

کہیں کوئی نیا شگوفہ کھلایا" کیونکہ شرارت اس وقت اس کے چہرے اور آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔ ہم نے جب اصرار کیا تو اس نے کہا کہ "میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ صرف پان والے سے دو آنہ کے پان اور تمہارے لئے سگریٹ لے آئی ہوں" ہم نے چونک کر کہا کہ "کیا تو نے پان والے کے ساتھ بھی کچھ کیا" اس پر اس کا ہنسی کے مارے بُرا حال ہو گیا اور اس نے چپکے چپکے سب واقعہ سنایا۔ ہم نے کہا۔ کہ اب تم قطعی پولیس میں پکڑی جاؤ گی۔ اور یہ جرم ہے۔ ہم نے بڑی انسانیت سے ان سب شرارتوں کی اہمیت کو بتایا۔ اور کہا کہ اب اگر تو نے ایسا کیا۔ تو تیری خیر نہیں ہے۔ وہ نیم راضی ہو کر بولی۔ کہ اگر سخت ضرورت پڑی تو میں کروں گی۔ ورنہ نہ کروں گی۔ پھر اُٹھ کر جو جانے لگی۔ تو ہم نے پکڑ لیا۔ کہ اب ہم تجھے نہ جانے دیں گے ہمارے پاس بیٹھی رہ کیونکہ تو پھر شرارت کرے گی۔ بہت کچھ اس نے ہم سے وعدہ کیا۔ مگر ہم نے نہ چھوڑا۔ تو اس نے کہا۔ کہ اب میں اپنا وعدہ واپس لیتی ہوں۔ ہم نے ایک نہ سنی۔ رات کا وقت تھا۔ لہٰذا ہم نے کچھ ہلکا سا ناشتہ اور چائے ڈرائنگ روم میں منگوائی۔ چائے آئی اور ہم نے دو پیالیاں بنائیں۔ چمچہ سے شکر چائے میں ہم ملا رہے تھے۔ اور کلی کے لئے پانی منگوایا تھا۔ کیونکہ پان کھا رہے تھے۔ ہم باہر سے کلی کر کے آئے تو ہم نے اپنی شریر بیوی کے چہرہ پر وہ خاموشی دیکھی۔ جو نہایت ہی سخت شرارت سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم نے جو پیالی کی طرف دیکھا تو ہم جان گئے۔ کہ شریر شاید اب ہمارے اوپر ہاتھ صاف کر رہی ہے ہم

نے غور سے جو چہرہ دیکھا۔ تو ہمارا شبہ اور بھی قطعی ہو گیا۔ اور وہ ہنسنے لگی ہم نے کہا کیا دیوانی ہوئی ہے۔ کیوں ہنستی ہے۔ اس پر وہ اور ہنسی۔ اور پان والے کا قصہ کہنے لگی۔ ہم اسی طرح چائے بلا رہے تھے۔ اور ہمارا شبہ کچھ مٹ گیا تھا۔ اور ہم نے چائے کی پیالی پینے کے واسطے اٹھائی۔ کہ اس کو پھر ہنسی آئی۔ جس کو اس نے تھوکنے کے بہانہ سے ٹالنا چاہا۔ وہ اگلدان میں تھوکنے کو اٹھی۔ اور ادھر ہم نے موقع پا کر اغنیا طًا اس صفائی سے چائے کی پیالی بدل لی۔ کہ اس کو شبہ تک نہ ہوا۔ ہم اس چائے سے کھیل رہے تھے۔ کہ جیسے اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ اس نے اپنے آگے کی چائے کی پیالی اٹھائی۔ جو ہمارے لئے کونین سے زہر ہلاہل کر کے رکھی تھی۔ پہلے ہی گھونٹ میں بس اس کو مزہ آ گیا۔ چائے گرم نہ تھی۔ اور ...... چونکہ اس کو شبہ بھی نہ تھا۔ لہذا ایک بڑا سا گھونٹ اس نے ایسا لیا۔ کہ حلق کے پار ہو گیا۔ کیا بتائیں کہ ہم نے کیسے جھک جھک کر سلام کئے اور کیا مزہ آیا۔ اس کا بھی ہنسی کے مارے وہ برا حال تھا۔ کہ تھوکنا مصیبت ہو گیا ؛

(۳)

اس کے بعد ہم پلیٹ فارم پر آئے اور تھوڑی ہی دیر میں کاٹھ گودام والی گاڑی آ گئی۔ ہم نے اپنا اسباب ایک دوسرے درجہ میں لگوایا جو بالکل خالی تھا۔ ہم اس پان والے کا تماشا دیکھنے گئے۔ جس کے کتھے چونے کو چاندنی نے کرڈا کر دیا تھا۔ ہمیں زیادہ تلاش کرنے کی وقت اٹھانا نہ پڑی۔

کیونکہ بہت جلد ہم نے دیکھا۔ کہ ایک پان والے سے کچھ لوگ لڑ رہے ہیں دوسرے لوگ یہ جھگڑا سن کر اور آ گئے اور ان میں سے کچھ اور ایسے ملے جو کہتے تھے۔ کہ ہمارا پیسہ واپس کر۔ کیونکہ تو نے ہمارا پان گرا دو اکر دیا ہم تو اس دلچسپ جھگڑے کو دیکھ کر اپنی بیوی کی شرارت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور اُدھر ہماری نیک نہاد بیوی اور ہی کچھ کر رہی تھیں ایک سالن روٹی والا مسلمان ہم سے تقاضہ کر چکا تھا۔ کہ ہم اُس کے میلے سودے میں سے کچھ خریدیں۔ حالانکہ چاندنی نے کئی مرتبہ اس کو ٹال دیا۔ مگر وہ نہ مانا اور مجبوراً اس نے اس سے کہا۔ کہ اچھا ایک پیلے میں گوشت نکال کر ہمارے سامنے بطور نمونہ پیش کرو۔ نمونہ ہماری سیدھی سادی بیگم صاحبہ نے کھڑکی سے اندر لے کر بجلی کی روشنی میں دیکھا۔ اور ناپسند کر کے واپس کر دیا۔ اس غریب کو کیا معلوم کہ کیا حرکت کی گئی ہے اس نے فوراً اپنے بڑے برتن میں واپس ڈال دیا۔ ہم پان والے کا تماشا دیکھ کر واپس آ رہے تھے۔ کہ ایک ڈیوڑھے درجہ کے مسافر سے اور اس باورچی سے جھگڑا ہوتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے کہا۔ کہ غضب ہو گیا۔ ہم جو اپنے ڈبہ میں واپس آئے۔ تو دیکھا کہ کسی دوسرے صاحب کا اسباب رکھا ہے۔ اور بنچ پر چائے کی کشتی میں کچھ مکھن توس اور چائے رکھی ہے۔ ہم نے چپکے سے بیوی سے کہا۔ ارے تو یہ کیا ستم کر رہی ہے۔ وہ اس وقت پوری پردہ نشین بیوی بنی ہوئی تھی۔ اور برقعہ اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ اُس نے اس نیت سے کیا تھا۔ کہ کوئی بھلا مانس ہو تو اُس کو دیکھ کر شاید نہ آئے۔ مگر ایک صاحب پھر بھی آ ہی گئے۔ وہ

ڈبہ کے باہر کھڑے ہو کر کچھ جھگکے پہلے تو کہا کہ یہ زنانہ ڈبہ نہیں ہے اس پر چاندنی بولی کہ "جناب زنانہ ڈبہ ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "آپ براہ مہربانی زنانہ ڈبہ میں چلے جائیں"۔ چونکہ اس نے انکار کیا لہذا اُن کے نوکر نے اُن کا اسباب وغیرہ رکھ دیا۔ وہ چائے منگوا کر کہیں دوسری جگہ باتوں میں مشغول تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں یہ کہنا فضول ہے۔ کہ ان کی چائے کے ساتھ چاندنی نے کیا کارروائی کی۔ اسی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ اُن کے لوٹے میں جو خالی تھا۔ کافی مقدار ڈال دی۔ اور پھر ستم یہ کہ اُن کی برف رکھنے کی بوتل میں بھی کوئین ڈال چکی تھی۔ جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔ اتنے میں یہ حضرت آئے۔ بہت معقول آدمی تھے۔ ہم سے دو ایک باتیں ہوئیں۔ اور ہمیں چائے پر مدعو کرنے لگے چائے کیتلی میں سے انڈیلتے ہوئے انہوں نے ہم سے کہا کہ "صاحب یہاں اسٹیشن پر آج عجیب ہی معاملہ ہے" "وہ کیا"؟ تو انہوں نے کہا کہ "ایک پان والے سے تمام آدمی جھگڑا کر رہے ہیں" ہم نے کہا کیوں "تو وہ ہنس کر بولے کہ "صاحب بڑا لطف آیا"۔

"کیا لطف آیا" ہم نے پوچھا۔

"اجی جناب تمام لوگوں کے منہ اُس پان والے نے کڑوے کر دیئے" انہوں نے بہت ہنس کر کہا "اور اب اس سے سب لڑ رہے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ سالن روٹی والے کو بھی دو تین آدمی گھسیٹ رہے ہیں۔ کہ سب سالن کڑوا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سارا بریلی کڑوا ہو رہا ہے"۔ قہقہہ لگا کر چائے میں شکر ملاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"کیا اور بھی کوئی قصہ ہوا" ہم نے بن کر پوچھا۔ "اجی تمام مسلمانوں کے پینے کا پانی کڑوا ہو رہا ہے۔ اور وہ لطف آ رہا ہے۔ کہ میں ہنستے ہنستے لوٹ..... خرّپ خا! نغو!"

چائے کی پیالی کا گھونٹ انہوں نے کیا لیا کہ حلق میں وہ کڑوا پھندا پڑا کر تھوک رہے تھے۔ ہم نے کہا۔ حضرت یہ کیا ہوا؟ تھے بڑے خوش مزاج بے طرح ہنسے۔ اور دوہرے ہو ہو گئے اور کہنے لگے۔ کہ "صاحب کسی سفّاک نے چائے والے پر بھی معلوم ہوتا ہے۔ حملہ کر دیا! یہ دیکھئے سب چائے کڑوی ہے" یہ کہہ کر نوکر کو بلایا کہ چائے والے کو لاؤ۔ اس نے متعجب ہو کر کہا کہ صاحب کیا بتاؤں کہ آج دوپہر سے نہ معلوم کیا ہو رہا ہے۔ کہ کئی مسافروں نے مارتے مارتے چھوڑا" وہ غریب چائے واپس لے گیا۔ اتنے میں ملازم اُن کا خالی لوٹا بھر کر لایا۔ اور انہوں نے کلی جو کی تو اور بھی تھوکنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ کیا مصیبت آئی معلوم ہوا۔ کہ نوکر نل سے پانی لایا تھا۔ القصّہ عجیب چکر میں تھے۔ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ ریلوے پولیس انسپکٹر اس کی تحقیقات کر رہا ہے۔ ہم سنّاٹے میں آ گئے۔ اور ہم نے گھبرا کر بیوی کے کان میں کہا۔ کہ لے آج تو پکڑی جائے گی۔ چاندنی پولیس وغیرہ سے کبھی نہ ڈرتی تھی۔ مگر اس وقت واقعی وہ چپ ہو گئی۔ ہم دونوں پھر آ کر بیٹھ گئے۔ اور یہ حضرت جو دراصل ممبر کونسل تھے۔ خوب اس کڑوے مذاق پر ہنس رہے تھے۔ اتنے میں ان کے ایک دوست آئے۔ اور وہ بھی بیٹھ گئے ان کے ساتھ پانی کی بوتلیں بہت سی تھیں۔ اُن کے دوست نے ایک بوتل اٹھائی اور اُس کو گلاس میں کھول کر برف کی بوتل میں ڈال کر پھر گلاس میں واپس کر کے

جو پیا تو کیا بتائیں۔ وہ کیسے کودے۔ گلاس چھوڑ کر تھوک رہے تھے۔ ان کے دوست کا اور ہمارا ہنسی کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ اب یہ حضرت عجیب چیزیں تھے۔ کہنے لگے۔ کہ یہ بوتلیں اور برف تو شہر کی ہیں۔ ان میں کہاں سے کراہت گھس آئی۔ ہماری بیوی غریب اور بیچاری بنی ہوئی برقعہ اوڑھے اپنے بچھونے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے اس کو اس سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ ہم نے اس سے پان کی ڈبیا مانگی اس نے ہینڈ بیگ میں بتائی۔ ہم نے اس میں سے ڈبیا نکالی اور ان دونوں کو پان پیش کئے وہ حضرت ہنس کر کہنے لگے۔ کہ جناب کہیں ان پانوں میں تو مصیبت نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ صاحب یہ تو ہمارے گھر کے ہیں۔ انہوں نے ایک پان لیا اور ایک ان کے دوست نے لیا۔ دراصل ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ایک ڈبیا کر دے پانوں کی ہے۔ اور ہم نے بھی ایک پان منہ میں رکھ لیا۔ فوراً ہی سب کو تھوکنے پڑے۔ اور ان حضرت کا تو مارے ہنسی کے بُرا حال تھا۔ اور کہنے لگے کہ یہ آخر مصیبت کیا ہے۔ کہ چاندنی نے بات بنا دی۔ اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے آپ نے اسٹیشن والے پان کھائے۔ دوسری ڈبیا میں سے لیجئے۔ ہم نے کلی کی۔ اور پھر دوسرے پان کھائے کڑوے پھینک دیئے۔

(۴)

نینی تال ہم خدا خدا کر کے پہنچے۔ اور درمیان میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ سارے سفر حضرت رہ رہ کر رات کے معاملات پر غور کرتے رہے تھے۔ اور تعجب کے ساتھ ہنس بھی رہے تھے۔ کیونکہ ان کے اور ساتھی بھی جو کونسل کے اجلاس کی شرکت کے لئے آئے تھے۔ کونین کا یا تو خود ذائقہ بریلی میں چکھ چکے تھے۔

اور یا ان کا تماشا دیکھ چکے تھے۔ ہر شخص تعجب کرتا تھا۔ کہ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ شہر سے بوتل میں برف آئے اور وہ کڑی ہو جائے حد ہو گئی کہ نل کی ٹونٹی سے کڑوا پانی نکلے غرض ہم ان سے رخصت ہوئے۔

ہم نے ایک پورا موٹر کرائے پر لیا۔ اور بیوی کو اس میں بٹھایا۔ اور نینی تال کی چڑھائی شروع ہوئی۔ ہم نے بیوی کو متنبہ کر دیا کہ اگر آئندہ تو شرارت کرے گی۔ تو قطعی پولیس میں دی جائے گی۔ مگر وہ تو رات کے واقعات کے اوپر ہنسی کے مارے بیتاب تھی۔ غرض اس چڑھائی کو ہم نے خوب لطف کے ساتھ طے کیا۔

نینی تال پہنچکر ہم نے ہمالیہ ہوٹل میں قیام کیا۔ دوسرے ہی روز سے ہلکے سے پیمانے پر چاندنی نے پھر کونین کا استعمال جاری کر دیا۔ یہ ناممکن تھا۔ کہ چائے آئے اور بقیہ شکر یا دودھ وغیرہ کڑوا نہ کر دے

روزانہ کا معمول تھا۔ کہ میلوں ہم پیدل چلتے تھے اور دن بھر سیر و تفریح میں گذرتا۔ نمعلوم کب کے اور کہاں کے دوستوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور ہم اور ہماری بیوی جگہ جگہ دعوتیں کھاتے تھے۔ کونسل کا احبلاس دیکھنے گئے۔ یہاں ہمارے ہم سفر دوست سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے ان سے اپنی بیوی کا باضابطہ تعارف کرایا۔ یہ بھی عجیب مسخرے اور دلچسپ آدمی تھے۔ آنریبل نواب محمد یوسف سے کون ایسا بھلا آدمی ہوگا۔ جو نینی تال جائے۔ اور کسی نہ کسی طرح واقفیت حاصل نہ کرلے یا ان کے وسیع اور پر تکلف دسترخوان پر بغیر بلائے ہوئے طرح طرح کے انگریزی اور ہندوستانی کھانے نہ کھا آئے۔ یہ حضرت بھی ان ہی دنوں یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کو بریلی کا واقعہ ایسا یاد تھا۔ کہ پھر ذکر کرکے ہنسنے لگے

اور کہنے لگے۔ کہ بھئی وہاں خوب ہی لطف رہا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ آخر کس کی شرارت تھی۔ دو تین ہی روز میں ان حضرت سے کافی واقفیت ہوگئی۔ کیونکہ ہم ضرور بالضرور کونسل کا اجلاس دیکھنے آتے تھے۔ چاندنی کو شرارت کئے کافی عرصہ ہوگیا تھا۔ لہٰذا وہ پھر ایک شرارت ایسی کر گزری کہ ہم سخت گھبرا گئے۔ کونسل کے ریفرشمنٹ روم میں ویسے تو کئی مرتبہ گیا بلکہ روزانہ حاضری کا اتفاق ہوتا تھا۔ مگر ایک روز ہماری فرشتہ سیرت بیگم صاحبہ کو وہاں بھی موقعہ مل گیا اور نہ معلوم کس طرح چائے شکر اور دودھ وغیرہ ایسا گڑبڑ کرا دیا۔ کہ ہم کو بھی پتہ نہ چلا۔ پتہ تو ہمیں جب چلا۔ جب کونسل کے دفعہ میں وہی حضرت جنتے ہوئے ہمارے پاس دوڑے آئے اور کہنے لگے کہ "لو بھئی ہوشیار ہو جاؤ۔ بریلی والا آگیا" ہم نے کہا کیا معاملہ ہے۔ تو وہ ہمیں اور چاندنی کو کونسل کے ریفرشمنٹ روم میں لے گئے۔ جہاں چند آنریبل ممبران منہ کی کڑواہٹ دور کرنے کے لئے کلیاں کر رہے تھے۔ ہم نے چاندنی سے چپکے سے کان میں کہا کہ اب تیری شامت قطعی آگئی۔ بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ چل۔ چنانچہ ہم فوراً واپس آئے۔

جس روز ہم جانے والے تھے۔ اُس سے ایک روز قبل یہ کونسل کے ممبر صاحب ہمیں جھیل کے کنارے ملے۔ اور ہم نے اُن کے بار بار کے تذکرہ سے اور ان کی طبیعت سے خوش ہو کر مناسب خیال کیا۔ کہ اُن سے اس کڑواہٹ کا راز بتا دیں۔ چنانچہ جب ہم نے اُن سے چاندنی کی شرارت کی معافی مانگی۔ تو ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور پوری داستان سُن کر تو کہنے لگے۔ کہ اب تمہیں دو تین روز اور نہ جانے دیں گے۔ انہوں نے دو تین اپنے دوستوں کو جو

اوریا ان کا تماشا دیکھ چکے تھے ہر شخص تعجب کرتا تھا۔ کہ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ شہر سے بوتل میں برف آئے اور وہ کڑی ہو جائے حد ہو گئی کہ نل کی ٹونٹی سے کڑوا پانی نکلے غرض ہم ان سے رخصت ہوئے۔

ہم نے ایک پورا موٹر کرائے پر لیا۔ اور بیوی کو اس میں بٹھایا۔ اور نینی تال کی چڑھائی شروع ہوئی۔ ہم نے بیوی کو متنبہ کر دیا کہ اگر آئندہ تو شرارت کرے گی۔ تو قطعی پولیس میں دی جائے گی۔ مگر وہ تو رات کے واقعات کے اوپر ہنسی کے مارے بیتاب تھی۔ غرض اس چڑھائی کو ہم نے خوب لطف کے ساتھ طے کیا۔

نینی تال پہنچکر ہم نے ہمالیہ ہوٹل میں قیام کیا۔ دوسرے ہی روز سے ہلکے سے پیمانے پر چاندنی نے پھر کونین کا استعمال جاری کر دیا۔ یہ ناممکن تھا۔ کہ چائے آئے اور بقیہ شکر یا دودھ وغیرہ کڑوا نہ کر دے

روزانہ کا معمول تھا۔ کہ میلوں ہم پیدل چلتے تھے اور دن بھر سیر و تفریح میں گذرتا۔ نہ معلوم کب کے اور کہاں کے دوستوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور ہم اور ہماری بیوی جگہ جگہ دعوتیں کھاتے تھے۔ کونسل کا اجلاس دیکھنے گئے۔ یہاں ہمارے ہم سفر دوست سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے اُن سے اپنی بیوی کا باضابطہ تعارف کرایا۔ یہ بھی عجیب مسخرے اور دلچسپ آدمی تھے۔ آنریبل نواب محمد یوسف سے کون ایسا بھلا آدمی ہوگا۔ جو نینی تال جائے۔ اور کسی نہ کسی طرح واقفیت حاصل نہ کرلے یا اُن کے وسیع اور پر تکلف دسترخوان پر بغیر بلائے ہوئے طرح طرح کے انگریزی اور ہندوستانی کھانے نہ کھا آئے۔ یہ حضرت بھی اُن ہی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کو بریلی کا واقعہ ایسا یاد تھا۔ کہ پھر ذکر کر کے ہنسنے لگے

اور کہنے لگے۔ کہ بھئی وہاں خوب ہی لطف رہا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ آخر کس کی شرارت تھی۔ دو تین ہی روز میں ان حضرت سے کافی واقفیت ہوگئی۔ کیونکہ ہم ضرور بالضرور کونسل کا اجلاس دیکھنے آتے تھے۔ چاندنی کو شرارت کئے کافی عرصہ ہوگیا تھا۔ لہٰذا وہ پھر ایک شرارت ایسی کر گزری کہ ہم سخت گھبرا گئے۔ کونسل کے ریفرشمنٹ روم میں ویسے تو کئی مرتبہ گیا بلکہ روزانہ حاضری کا اتفاق ہوتا تھا۔ مگر ایک روز ہماری فرشتہ سیرت بیگم صاحبہ کو وہاں بھی موقعہ مل گیا اور نہ معلوم کس طرح چائے شکر اور دودھ وغیرہ ایسا گڑبڑ کیا۔ کہ ہم کو بھی پتہ نہ چلا۔ پتہ تو ہمیں جب چلا۔ جب کونسل کے دفعہ میں وہی حضرت ہنستے ہوئے ہمارے پاس دوڑے آئے اور کہنے لگے کہ "لو بھئی ہوشیار ہو جاؤ۔ بریلی والا آگیا" ہم نے کہا کیا معاملہ ہے۔ تو وہ ہمیں اور چاندنی کو کونسل کے ریفرشمنٹ روم میں لے گئے۔ جہاں چند آنریبل ممبران منہ کی کڑواہٹ دور کرنے کے لئے کلیاں کر رہے تھے۔ ہم نے چاندنی سے چپکے سے کان میں کہا کہ اب تیری شامت قطعی آگئی۔ بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ چل۔ چنانچہ ہم فوراً واپس آئے۔

جس روز ہم جانے والے تھے۔ اُس سے ایک روز قبل یہ کونسل کے ممبر صاحب ہمیں جھیل کے کنارے ملے۔ اور ہم نے اُن کے بار بار کے تذکرہ سے اور ان کی طبیعت سے خوش ہو کر مناسب خیال کیا۔ کہ اُن سے اس کڑواہٹ کا راز بتا دیں۔ چنانچہ جب ہم نے اُن سے چاندنی کی شرارت کی معافی مانگی۔ تو ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور پوری داستان سُن کر تو کہنے لگے۔ کہ اب تمہیں دو تین روز اور نہ جانے دیں گے۔ انہوں نے دو تین اپنے دوستوں کو جو

یا تو خود بریلی کے اسٹیشن پر کونین کا شکار ہوئے تھے۔ اور یا دوسروں کو دیکھ چکے تھے۔ چاندنی سے ملایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری بیوی اس تفریح کے مقام سے لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے ہمیں لے کر ایسی غائب ہوئی۔ کہ لوگ تلاش ہی کرتے رہ گئے۔

(۵)

واپسی میں بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے ہمارے ایک دوست کا ساتھ ہو گیا۔ اُن کی بیوی سخت پردہ کی پابند تھیں۔ اور یہ اُن کو تیسرے درجہ میں سفر کراتے تھے۔ اور خود سکنڈ کلاس میں سفر کرتے تھے۔ اور پھر لطف یہ کہ بیوی کے پاس تک نہ پھٹکتے تھے۔ نوکر یا ملازمہ کے ذریعہ سے خبر گیری رکھتے تھے

ہم نے بھی چاندنی کو تیسرے درجہ میں ٹھونسا اور کہا "لے اب اپنی اوقات سے سفر کر اور برقعہ اوڑھ کر شریف زادیوں کی طرح منہ لپیٹ کر بیٹھ" اُس کو مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ ہمارے دوست کی بیوی بہت ہی شرمیلی۔ خاموش اور سیدھی سادی تھیں۔ حالانکہ چاندنی کی ہم عمر ہی ہوں گی۔ مگر بیچاری کو دنیا کا تجربہ بالکل نہ تھا۔

ہمارا اُن کا بریلی تک کا ساتھ تھا۔ نینی تال سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ کبھی کبھی بیوی سے ملاقات کر آتے تھے۔ ہمارے ساتھی حضرت دور ہی سے کھڑے ہو کر صرف اتنا دیکھ لیتے تھے کہ بیوی کھڑکی کا پٹ بند کئے ہیں۔ یا کھولے ہوئے ہیں۔

ایک اسٹیشن پر زنانہ درجہ کے پاس سے کوئی غنڈا گزرا اور اُس نے ہمارے

دوست کی بیوی کو جو اس وقت کھڑکی کھولے بیٹھی تھیں۔ دیکھا تو قریب سے یہ کہتا ہوا گذر گیا کہ "کہاں جا رہی ہو" وہ بیچاری دھک سے ہو گئیں۔ اور مارے دہشت کے اُن کا کلیجہ کانپنے لگا۔ اور چاندنی سے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔ کہ "بہن خدا کے واسطے کھڑکیاں چڑھا لو۔ کوئی بدمعاش مجھ سے ایسا کہہ کر چلا گیا" ہماری تیز طرار بیوی نے ہنسکر کہا کہ "آپ نے بتا کیوں نہ دیا۔ کہ بریلی جا رہی ہوں" وہ بیچاری ہنسنے لگیں۔ اور کہنے لگیں۔ کہ میرے تو منہ سے آواز ہی مشکل سے نکلی۔ اور میں گھبرا گئی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ وہ پھر کھڑکی کے سامنے سے گذرا اور اس نے پھر وہی کہا۔ یہ گھبرا گئیں اور ایک دم سے کھڑکی چڑھانے لگیں۔ کہ وہ چلتے چلتے بولا "یہ ستم نہ کرو" ہاتھ پیر ان کے پھول گئے۔ کھڑکی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور یہ بیچاری بے دم ہو کر کونہ میں منہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ چاندنی ہنس رہی تھی۔ اور یہ اُس سے کہہ رہی تھیں۔ کہ اسی مارے کھڑکی کے پاس عورتوں کا بیٹھنا ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔ دراصل ان کی حالت قابل رحم تھی۔ چاندنی فوراً ہی لپک کر کھڑکی کے پاس آئیں مگر وہ غنڈا جا چکا تھا۔

ہم جو ایک اسٹیشن پر آئے تو اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اور دور سے اس شخص کو دکھا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج اس کی شامت آئی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک معمولی سا لفنگا صفت آدمی ہے۔ مگر ترکی ٹوپی اور سیاہ اچکن پہنے تھا۔ اور ایک میلا سا سفید پاجامہ تھا۔ گاڑی یہاں دیر تک ٹھہرتی تھی۔ ہم تھوڑی دیر بعد ہی چلی آئے اور اپنے دوست سے کہا وہ بیچارے کہنے لگے۔ کہ "کیا بتائیں یہ اسی مارے تو عورتوں کا سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے ہم نے کہا جناب آپ نے

انتہائی پردہ کرا کے یہ حال کر دیا ہے۔ اگر آپ برقعہ پہنا کر اپنے ساتھ بٹھائیں۔ تو کیا مضائقہ ہے! مگر یہ سب بے سود تھا۔ کیونکہ ہمارے اور ان کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

ہماری بیوی پر شرارت کا جن پھر سوار ہو گیا۔ اس نے پہلے تو ہمارے دوست کی بیوی کی بزدلی پر خفا ہو کر اُن کو بطور سزا کے ایک کڑوا پان کھلایا معلوم ایسی سیدھی عورت کو تنگ کرنے میں کیا مصلحت تھی۔ اس کے بعد اس نے دیکھا۔ کہ وہ حضرت آ رہے ہیں۔ وہ کھڑکی کی طرف منہ کھولے ہوئے بیٹھی تھی۔ اور پان کی ڈبیا اس کے ہاتھ میں تھی۔ جیسے وہ قریب آیا۔ ویسے ہی اُس نے ڈبیا کھولی۔ وہ غنڈا مسکرا کر بولا "اکیلے ہی اکیلے"۔ چاندنی نے فوراً ایک پان اسے دے دیا۔ جو اس نے فوراً لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے دیکھا۔ کہ یہ حضرت نل پر کھڑے تھوک تھوک کر اپنی چرخ صاف کر رہے ہیں۔ کیونکہ سارا منہ کڑوا ہو رہا تھا۔

یہ حضرت جلے بھنے پھر لوٹ کر آئے۔ اور چاندنی سے پان کی کڑواہٹ کے بارے میں ایک سخت ناشائستہ اور بیہودہ لفظ کہا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا "شرفیوں کی سی باتیں کرو"۔ اس کو بے حد غصہ آ رہا تھا۔ ہمارے دوست کی بیوی کا یہ باتیں دیکھ کر جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ جب اُس نے پان دیا۔ تو کہنے لگیں کہ "تمہارے میاں دیکھ لیتے تو کیا ہوتا"۔ اس نے کہا "کچھ نہیں اس میں کیا ہرج ہے"۔ غرض وہ کہتی تھیں۔ کہ "خدا کے لئے رہنے دیجئے۔ ورنہ وہ اور بھی پیچھے لگ جائے گا"۔ اتنے میں وہ پھر آیا۔ اور اس نے اس مرتبہ پیش

بھی زیادہ بیہودگی سے کام لیا۔ چاندنی مارے غصہ کے کانپنے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ نینی تال پر ہم نے ایک نہایت ہی نازک سی ساڑھے سات روپے کی سیپ کے دستہ کی چھتری دلادی تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چھتری لے کر اور گاڑی سے اتر کر پیچھے سے اُس غنڈے کے سر پر ایک ہاتھ زور سے مارا۔ اُس نے جو مڑ کر دیکھا تو زور کی ڈانٹ بتا کر جو چھتریاں مارنا شروع کیں۔ تو ایک غل مچا۔ لوگوں نے سمجھا کہ معلوم اس شخص نے کونسی ناشائستہ حرکت کی لہذا دوڑ کر آئے۔ اور ایک انگریز مسافر جو پاس ہی کھڑا تھا۔ اُس نے اُسے پکڑ لیا۔ ایک ہلڑ ہو گیا۔ وہ اپنے ڈبہ میں لوٹ گئی۔ یہ حضرت پکڑ کر پولیس کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے۔ ہم اپنی بیوی کے پاس آئے۔ جو مارے غصہ کے جنگ کے بعد کانپ رہی تھی۔ اور اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ ہمارے دوست کی بیوی سہمی ہوئی کونے میں منہ دیئے بیٹھی تھیں۔ ہم نے بیوی کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا "واہ شاباش کیا کہنا ہے۔ تم بڑی بہادر ہو" غرض شاباش دے کر ہم لوٹ آئے۔

(۶)

بریلی کے اسٹیشن پر ہمارے دوست ہماری بہادر بیوی کی تعریف مگر اعتراض کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ اتنے میں ایک پولیس سب انسپکٹر صاحب آئے اور انہوں نے ہمارا پتہ وغیرہ لکھ لیا۔ اور کہا کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو۔ تو آپ کی بیوی کا نام بھی گواہوں میں لکھ لوں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرت کے پاس کوکین برآمد ہوئی۔

تھوڑے ہی دنوں بعد چاندنی کے نام بریلی کے ریلوے مجسٹریٹ کی عدالت سے سمن آیا۔ کہ فلاں فلاں دن حاضر ہو کر ملزم کو شناخت کرو۔ اور گواہی دو۔ وہ اس عدالت کی پیشی سے بہت چڑائی۔ اور کہنے لگی کہ میں تو نہ جاؤں گی۔ ہم نے کہا کہ شاید تیری شامت آئی ہے۔ کیونکہ اگر تو نہ جائے گی۔ تو وارنٹ جاری ہوگا اور پکڑی جائے گی۔ اور پھر مقدمہ کے وکیل تجھ سے جرح کر کے سب تیری شرارتوں کی اکٹھی کسر نکالیں گے۔ سمن کو تو لینا پڑا۔ مگر وہ سخت پریشان تھی۔ اگر ہم چاہتے تو اس جھگڑے سے اس کو نکال سکتے تھے۔ مگر دراصل ہمارا خیال تھا۔ کہ کچھ تجربہ حاصل کرے۔ تو اچھا ہی ہے۔ اور ہم نے اس سے کہا کہ "بیوی۔ گھبراؤ نہیں ہم تمہارے ساتھ چلیں گے"۔

ریلوے مجسٹریٹ ایک نوجوان ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اور جب ہم اپنی بیوی کو لے کر خود حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے قریب کرسی دی۔ ملزم کی شناخت وغیرہ ہوئی۔ اور چاندنی کے مجسٹریٹ نے بیان لئے۔ ہم نے چپکے سے یہ اس کے کان میں کہہ کر بوکھلا دیا کہ "وکیل تجھ سے جرح کرے گا۔ اور اگر کہیں تو نے خدا بھی جھوٹ بولا۔ تو بس سمجھ لے کہ دروغ حلفی کا مقدمہ تیرے اوپر قائم کر کے تجھے جیل کی ہوا کھلائی جائے گی۔

جب اس سے ملزم کے وکیل نے جرح کی تو وہ سخت گھبرائی۔ مجبوراً اس کو اقبال کرنا پڑا۔ کہ ملزم کو بطور سزا کے اس نے کونین ڈال کر پان دیا تھا۔ اتفاق کی بات کہ واقعہ تازہ تھا۔ دن اور تاریخ جو مجسٹریٹ نے پوچھی۔ تو معلوم ہوا کہ جس روز بریلی کے اسٹیشن پر تمام چیزیں کڑوی ہو گئی تھیں وہی دن اس کی موجودگی

کا بھی تھا۔ اس معاملہ کی تحقیقات پولیس پہلے ہی کر چکی تھی۔ تمام کڑوی چیزوں کا ڈاکٹری امتحان بھی ہو چکا تھا۔ اور ممتحن نے بتایا تھا۔ کہ تمام اشیاء کونین سے کڑوی کردی گئی ہیں۔ ہر جگہ تحقیقات میں ثابت ہو چکا تھا۔ کہ کوئی عورت تھی۔ کیونکہ پان والے نے کہا کہ میں نے ایک عورت کے ہاتھ پان فروخت کئے اور یہی گوشت روٹی والے نے کہا اور اس پر طرہ یہ کہ ہوٹل والے کا بیان ان سب باتوں کو ملا کر جو مجسٹریٹ نے دیکھا۔ تو معاملہ کچھ اور ہی نظر آیا۔ علاوہ اس کے تحقیقات میں جو لوگوں نے بیان دیئے تھے۔ اس میں چاندنی کا حلیہ درج تھا۔ مجسٹریٹ بیچارے بڑے نیک آدمی تھے۔ انہوں نے کچھ تو ہمارا لحاظ کیا اور کچھ ہماری بیوی کا۔ کیونکہ وہ اس وقت بے طرح گھبرا رہی تھی۔ انہوں نے ایک طرف تو وکیل مخالف کو بہت سے سوالات ایسے کرنے سے روکا کہ اُن کا جواب دینے سے پیشتر ہی وہ شاید رو دیتی اور دوسری طرف بے موقعہ تذکرہ بند کیا۔

عدالت سے اُس نے فراغت پائی تو اس کی جان میں جان آئی۔ سیکن ڈبل فرسٹ کلاس کے کرایہ کا پروانہ جو اُس کے ہاتھ آیا۔ پھر اس کی وہی کیفیت ہو گئی۔ ہم نے کہا "کیوں جی آدھے دام پر ہمارے ہاتھ فروخت کرتی ہو۔" اُس نے کہا "انہی داموں میں سے تو کونین خریدی جائے گی۔ قصہ مختصر وہ سب پریشانیاں جو عدالت میں پیش آئی تھیں دور ہو گئیں۔ ہم نے کہا کہ تو نہ معلوم کس بھول میں ہے۔ ابھی عجب نہیں کہ تیری پیشی بطور ملزم کے کونین والے مقدمہ میں ہو۔ یہ وہ بھی جانتی تھی کہ مجسٹریٹ اور سب انسپکٹر ریلوے پولیس جو خود تحقیقات کر چکے تھے۔ جان گئے تھے۔ کہ تمام چیزیں اُسی نے کڑوی کی تھیں۔ لہٰذا وہ کچھ

گھبرا رہی تھی۔ ہم شام کو ریلوے مجسٹریٹ کے بنگلہ پر اپنی ملزم بیوی کو لے کر گئے اور ان کے سامنے اس کی طرف سے اقبال جرم کیا۔ جس کو انہوں نے حیرت اور دلچسپی سے سنا۔ اور اطمینان دلایا۔ کہ وہ مقدمہ فائل کر دیا جائیگا۔

غرض اس قصہ کو ختم کر کے ہم واپس آئے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کی کونین خورانی اس حد تک پہنچ چکی تھی۔ کہ اگر کہیں اس کا اس دلچسپی سے جی نہ بھر جاتا۔ تو وہ ضرور کہیں پکڑی دکھڑی جاتی۔ خدا خدا کر کے اس بات میں آپ ہی میانہ روی آگئی مگر عادت بالکل نہ گئی۔ اور نہ جائے گی۔

چوتھا باب

شریر بیوی

ہندوستانی پردہ

ہم دروازہ پر پہنچے۔ اور ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔ لیکن اندر جونہی قدم رکھا کہ چونک پڑے۔ ایک جنٹلمین آرام کرسی پر لیٹے ہوئے حقہ گڑگڑا رہے تھے پاس ان کی خوبصورت بیوی بیٹھی تھیں۔ ہم فوراً "ارے" کہہ کر لوٹے۔ اور وہ حضرت گرج کر حقہ کی نے سنبھال کر لینا لینا بدمعاش کو پکڑنا کہ کے پھاند پڑے ہماری شامت جو آئی ہم سیدھے بوکھلا کر بھاگے۔ اور وہ ننگے پیر حقہ کا نیزہ ہاتھ میں ہمارے پیچھے لینا لینا کرتے دوڑے۔ گلی کے موڑ پر ہم فوٹمار کے کہ کہیں لوگ بدمعاش سمجھ کر ہمیں پکڑ نہ لیں۔ آتے ہی ان حضرت نے ایک دو تین ہمارے اوپر حقہ کی نے تڑاتڑ لگائیں "سنئے تو سنئے"۔ ہمارے منہ سے نکل رہا تھا اور وہ ہمارے اوپر برس رہے تھے۔ کہ لوگ درمیان میں آگئے۔

"بدمعاش پاجی لچا دن دہاڑے" کانپتے ہوئے وہ بولے۔

"ذرا سنئے تو" "سنئے تو ہم نے کہا۔

"ٹھہر جایئے صبر سے کام لیجئے" ایک بڑے میاں بولے "کیا معاملہ ہے"

"بدقسمتی سے میں بجائے برابر والے مکان کے اُن کے مکان میں داخل ہو گیا۔ اور میں سخت شرمندہ ہوں" ہم نے کہا۔ یا بان بدمعاش جھوٹا ہے۔ جان بوجھ کر.....

"نہیں صاحب ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ جانے دیجئے" بڑے میاں بولے۔

"جانے دیجئے" وہ حضرت بولے "میں تو پولیس میں دے دیتا"

غرض لوگوں نے معاملہ رفع دفع کیا۔ ہم سیدھے پٹائے سخت شرمندہ کھڑے تھے اور ارادہ فسخ کر کے گردن نیچی کر کے لوٹ آئے۔ چراغ جل چکے تھے۔ کہ گھر پہنچے

(۱)

"آج صبح نہ معلوم کس منحوس کا منہ دیکھا تھا" ہم نے چاندنی سے کہا۔ "کہیں تو تو سامنے نہیں آگئی"

چاندنی نے ہنس کہا "کیا ہوا؟ ہم کہتے تھے کہ رات کو تکیہ کے پاس میٹھ کر آئینہ مت دیکھو منحوس ہوتا ہے۔ تم بھول گئے۔ اور وہ وہیں رکھا رہ گیا اور صبح ہی شاید تم نے دیکھ لیا"

ہم کو ہنسی آگئی۔ کیونکہ بیشک ہم نے رات کو بدقسمتی سے آئینہ دیکھ کر وہیں رکھا رہنے دیا تھا۔ اور چاندنی کی بن آئی۔ اسنے مفصل قصہ پوچھا۔ ہم نے بتایا کہ کس طرح ہم آج ایک جگہ دھوکہ سے پردہ نشین بیوی کے گھر میں گھس گئے اور مارے گئے قصہ آیا گیا ہوا۔ یہ قصہ لکھنؤ کا تھا۔ اور اس واقعہ کے چار روز بعد ہم یہاں سے لد گئے۔

ہم ویٹنگ روم میں آرام کرسی پر لیٹے ہوئے مزے میں اخبار پڑھ رہے تھے۔ کہ ذرا باہر نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بند گاڑی آکر رکی۔ لوگوں نے چادریں پردہ کے لیئے تانیں۔ اور کوئی بیگم صاحبہ زنانہ ویٹنگ روم میں اتر گئیں۔ ہم لوٹ آئے۔ اور بدستور اخبار پڑھنے لگے۔ کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ ہم نے اخبار ہٹا کر دیکھا۔ ایک صاحب نہایت باوضع جنٹلمین "اُفوہ" کرکے کرسی پر بیٹھ گئے اور ہماری طرف دیکھنے لگے۔ یہ وہی حضرت تھے جنہوں نے ہماری حقہ کی نے سے مرمت کی تھی۔ یہ اپنی بیگم صاحبہ کو زنانہ ویٹنگ روم میں اتروا کر آرہے تھے

"خدا کی پناہ" ٹوپی اتار کر بولے۔ "جناب کہاں تشریف لیجائیں گے؟"

ہم نے غور سے دیکھا۔ اور ہم خوش ہوئے۔ کہ چلو اچھا ہے۔ کہ انہوں نے ہمیں پہچانا نہیں۔ "میں آگرہ جاؤں گا۔" "اچھا آپ بھی آگرہ تشریف لیجارہے ہیں" یہ کہہ کر جو انہوں نے سلسلہ شروع کیا تو دنیا بھر کی باتیں پوچھ کر پھر وہیں پرانی باتیں شروع کیں۔ سفر کی خرابی۔ عورتوں کا ساتھ وغیرہ وغیرہ کہتے کہتے بولے "کیا بتاؤں صاحب میں تو پریشان ہوجاتا ہوں۔ عورتوں کا ساتھ ہونا سفر میں واقعی مصیبت ہے۔ چار گھنٹہ تو عورتوں کو سوار کرانے میں لگے۔"

"وہ کیسے"؟ ہم نے پوچھا۔

آج صاحب عورتوں کے معاملات ہیں اور پھر سسرال اندر جانہ سکتا تھا۔ کیونکہ خوشدامن صاحبہ اور دوسری رشتہ دار عورتیں تھیں۔ باہر سے کہلواتا کچھ تھا۔ اندر سے جواب کچھ آتا تھا۔ خدا خدا کرکے اسباب بندھا اور پھر بھی کچھ چیزیں جو باہر رہنا تھیں۔ اندر رہ گئیں۔ اور جو اندر رہنا تھیں۔ باہر آگئیں۔

شور وغل گھنٹوں جب ڈیوڑھی پر مچایا گیا۔ تب جاکر سوار ہونے کی نوبت آئی۔ عورتوں کا ساتھ ہونا واقعی سفر میں مصیبت ہے۔ اسباب کو دیکھئے۔ ایک وبال جان ہیں۔" اصغر صاحب نے کچھ پریشان ہو کر یہ کہا۔ کیونکہ وہ واقعی کچھ بوکھلائے سے ہوئے تھے۔

ہم نے کچھ اختلاف کرتے ہوئے کہا "شاید۔ مگر وجہ کیا کہ وبال جان ہوں۔ آخر باعث آرام وآسایش کیوں نہ ہوں۔ تاکہ راہ کی تکلفت ہی دور ہو"

توبہ کیجئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ اصغر صاحب نے کہا۔ کلفت دور ہوا پہ کہئے دوگنی ہوئی ہے۔

ہم نے ہنسکر کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے ساتھ بہت سی عورتیں ہیں بہت سی تو نہیں صرف میرے گھر میں سے میرے ساتھ ہیں۔ اصغر صاحب نے جواب دیا۔ ہم نے نہایت ہی سادگی سے پوچھا "گھر میں سے کون ساتھ ہے"

خود میرے ہی گھر میں ہیں" اصغر صاحب بولے۔

"کون" ہم نے پھر ہنس کر کہا۔

"خود گھر ہی میں سے ہیں" اصغر نے کہا۔

"واللہ آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ آخر گھر میں سے کون ہے۔ ماں۔ بیوی بہن۔ ملازمہ۔ آخر کون ہے۔ شاید بیوی ہوں گی۔

کچھ جھینپ کر اصغر صاحب نے کہا "جی ہاں اور آپکی سواریاں؟"

"میں نے تو کل ہی انہیں بک کرا دیا" ہم نے جواب دیا۔

اصغر تعجب سے ہمیں دیکھنے لگے۔ ابھی کی ملاقات اور سنجیدہ گفتگو۔ وہ

ایسے دیکھ رہے تھے۔ کہ انہیں کچھ برا معلوم ہوا۔ کہنے لگے "جناب مذاق کرتے ہیں"
ہم نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا "میری دانست میں مجھ کو ایسے مذاق کرنے کا حق اتنی جلدی حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں مذاق نہیں کرتا۔ بلکہ صحیح عرض کرتا ہوں۔ اور مجھ کو تعجب ہے۔ کہ جناب کو آخر میرے بیان کی صداقت میں کیوں شبہ ہو رہا ہے۔ یہ دیکھئے رسید بھی موجود ہے۔ میں نے اپنی دونوں سواریوں کو بک کرا دیا۔ یہ کہہ کر ہم نے رسید اصغر کے حوالہ کی کیونکہ واقعی ہم موٹر سائیکل اور بائیسکل بک کرا چکے تھے۔

اصغر کچھ خفیف سے ہوئے رسیدیں واپس دیکر کہنے لگے "شاید آپ تنہا سفر کر رہے ہیں"

ہم نے کہا "جی نہیں" میں تنہا سفر کرنے کا عادی نہیں۔ میری بیوی میرے ساتھ ہیں

اصغر بولے "مگر زنانہ ویٹنگ روم تو خالی ہے۔ اچھا۔ شاید وہ ڈولی جونل کے سامنے رکھی ہے۔ اس میں وہی ہیں" یہ انہوں نے کچھ قطعی یقین کیساتھ کہا۔

ہم نے ہنس کر کہا جی نہیں۔

پھر کہاں بٹھایا ہے" اصغر نے پوچھا۔

"کہیں نہیں۔ بلکہ انہوں نے مجھے بٹھایا ہے۔

"معاف کیجئے گا۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں" اصغر نے مذاق سمجھ کر نالپسندیدگی سے کہا۔

ہم نے ہنسکر کہا "وہ مجھ کو یہاں بٹھا کر ٹکٹ لینے گئی ہیں"

ارے۔ یہ کیا ؟"

ہم نے کہا: "صاحب وجہ یہ ہے کہ اسباب میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ اس میں سے کچھ تو مال گاڑی سے جائے گا۔ اور کچھ سواری گاڑی سے جائے گا۔ پھر اس میں سے کچھ ایسا ہے جو ساتھ رہے گا۔ اور کچھ ایسا ہے جو بک نہیں دیا جائے گا۔ میری طبیعت کچھ خراب تھی۔ تو مجبوراً وہ بیچاری مجھے یہاں آرام سے بٹھا کر ٹکٹ خریدنے اور سب اسباب بک کرانے گئی ہیں۔ آدھ گھنٹہ سے زاید ہو گیا ہے۔ اور ابھی تک نہیں آئیں۔

"ارے! کیا اکیلی گئی ہیں"؟ اصغر تعجب سے بولے۔

ہم نے نہایت ہی رو کھے منہ سے کہا: "جی نہیں"! ان کے ساتھ بکنگ کلرک بھی گیا ہے۔

"خوب یک نہ شُد دو شُد"۔ اصغر صاحب آنکھیں پھاڑ کر بولے "تو وہ پردہ کیا بالکل نہیں کرتیں؟"۔

"کیوں نہیں۔ کرتی کیوں نہیں ہیں"!

"تو پھر یہ کیسے"؟ اصغر نے کہا۔

ہم نے کہا: "یہ کوئی ضروری نہیں کہ پردہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام ہی اُس کی وجہ سے نہ کیا جائے"۔

اصغر نے کہا: "جناب حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ عورتیں اندھوں تک سے سخت پردہ کریں۔ حتےٰ کہ اُن کی طرف بھی نہ دیکھیں"۔

ہم نے کہا: "صاحب آیا ہوگا ہمیں تو پتہ نہیں۔ مگر آئندہ ہم بھی ضرور احتیاط

رکھیں گے۔ اور حتے الامکان پابندی کرائیں گے۔ مگر میرا تو خیال ہے کہ میری بیوی خواہ مخواہ بے ضرورت اندھوں کو بھی نہیں دیکھتیں۔ مگر ضرورتاً سب کو دیکھتی ہیں۔ اب اور تاکید کردوں گا۔ مگر یہ تو بتایئے کہ .... اتنا کہنے پائے تھے۔ کہ دروازہ کے سامنے ہم نے دیکھا کہ ہماری منتظم بیوی تیزی سے جا رہی ہے۔ چنانچہ ہم نے فوراً آواز دی "چاندنی۔ چاندنی"

"کہیئے۔ کہیئے" کہتی ہوئی وہ آئی۔ ہم نے پوچھا "کہو کیا دیر ہے" تو اُس نے کہا "بس رسید بنوا نا رہ گئی ہے۔ ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر چلی گئی۔

آپ تو کہتے تھے۔ کہ پردہ کرتی ہیں یہ تو منہ کھولے گھوم رہی ہیں" اصغر نے کہا۔

ہم نے کہا سر سے پیر تک تو غضب نے اس گرمی کے موسم میں اپنے کو ایک چادر سے لپیٹ رکھا ہے۔ اور پھر بھی آپ اعتراض کر رہے ہیں۔ وہ کیا منہ کو بھی بند کرے تو آپ کا کیا یہ مطلب ہے۔ کہ تیزی سے ادھر سے اُدھر جانے آنے اور اسباب تلانے اٹھوانے میں وہ برقعے سے الجھ کر گرے۔ یا کوئی بنڈل چُرا دے۔ معاف کیجئے "میں ایسے پردہ سے باز آیا"

پھر مزہ یہ کہ آپ ان کا نام لے کر پکارتے ہیں" اصغر صاحب نے دوسرا اعتراض کیا۔

"آخر پھر کیسے پکاروں؟ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔ مجھ کو تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہ ارے۔ دیکھنا۔ اے جی۔ سنو تو۔ وغیرہ وغیرہ کہکر پکاروں اور خواہ مخواہ اسٹیشن پر بیسیوں آدمیوں کو اپنی طرف مخاطب کرلوں"

مگر وہاں تو تیسرا اعتراض موجود تھا۔ "آپ تو مردوں کا کام عورتوں سے لیتے ہیں۔ یہ سب کام جو آپ کی بیگم صاحبہ دوڑ دوڑ کے کرتی پھر رہی ہیں دراصل آپ کے کرنے کے تھے"۔ اصغر صاحب نے فرمایا۔

ہم نے کہا "بیشک۔ مگر عرض کیا نہ کہ میری طبیعت کچھ خراب ہے گرمی کا موسم ہے۔ ورنہ میں ہرگز اپنی بیوی کو تکلیف نہ دیتا۔ میں تو اس حالت میں بھی ان کو منع کرتا رہا۔ مگر وہ نہ مانیں۔ کہ کہیں میری طبیعت زیادہ خراب ہو جائے اصغر صاحب کیا کہوں کہ بیوی ایک نعمت ہے اور خصوصاً سفر میں۔

اتنے میں ریل گاڑی کی گھنٹی بجی اور اصغر صاحب بری طرح اٹھ کر بھاگے ہم اسی طرح بیٹھے رہے۔ کیونکہ گاڑی یہاں بڑی دیر ٹھہرتی تھی۔ تھوڑی دیر میں چاندنی آئی۔ اور کہا چلئے ہم گاڑی میں گئے۔ تو وہاں سب اسباب قرینہ سے رکھا ہوا اور بستر بچھا پایا۔ ہم نے چاندنی سے کہا "دوست خدا تمہارا سہاگ قایم رکھے۔ بس ایک گلاس شربت اور پلوا دو"۔ یہ کہہ کر ہم مزے سے لیٹ رہے چاندنی نے قلی وغیرہ سب رخصت کر دیئے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ہم بیٹھے سرد پانی سے اپنی بیوی سے باتیں کر کر کے دل ٹھنڈا کر رہے تھے۔

(۲)

ادھر اصغر صاحب کا حال سنئے۔ ریل کیا آئی کہ مصیبتوں کا دفتر کھل گیا کہاروں نے پالکی میں ان کی بیگم صاحبہ یا یوں کہئے کہ اسباب جہالت کو اٹھایا اور آگے بڑھے۔ اصغر نے اسباب اور قلیوں کو دیکھا۔ تو ایک قلی غائب پالکی نکلی جاتی تھی۔ ایک دم سے اوپر دوڑے کہ پھر اوپر آئے دوسرے قلی

سے پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ صاحب ابھی تو یہیں تھا۔ شاید آگے بڑھ گیا ہوگا۔ اس کو ساتھ لیا اور تیزی سے آگے بڑھے۔ کہ راستے میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ قلی ان کا اسباب لئے مجمع کے ساتھ ساتھ پھاٹک سے باہر جانا ہی چاہتا ہے۔ غضب ہی تو ہوگیا۔ اور بے تحاشا اس طرف لپکے اس ہڑبونگ میں نہ معلوم کس کس سے ٹکرائے کہ آخرش اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک صاحب سے جو شاید ان سے بھی زیادہ ضروری کام سے جا رہے تھے۔ ایسی ٹکر ہوئی کہ یہ گرتے گرتے بچے مگر سنبھلنے جو لگے۔ تو ایک دہی بڑے والے کا خوانچہ سامنے آیا۔ پھاندے سے جو سہی تو دہی بڑے والے نے ہاتھ سے روکا۔ نتیجہ یہ کہ دہی بڑے والے کے خوانچہ میں قدم پڑا اور بری طرح گرے۔ تڑپ کر اٹھے۔ کہ دہی بڑے والے نے پکڑا۔ وہاں اسباب نکلا جاتا تھا۔ ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ اور چھڑا کر سیدھے پھاٹک کی طرف دوڑے۔ قلی باہر نکل چکا تھا۔ مگر اب بھی نظر آ رہا تھا۔ پھاٹک پر جو کشمکش ہوتی ہے۔ وہ سب جانتے ہیں۔ وہاں کشتم کشتا کر کے کوشش کی کہ باہر نکل جاؤں کہ دہی بڑے والے نے پکڑا۔ اس سے ہاتھ چھڑاتے ہیں۔ اور اطمینان دلاتے ہیں۔ مگر توبہ کیجئے وہ کاہے کو چھوڑتا۔ دیکھتا تھا۔ کہ یہ باہر نکلے جا رہے ہیں۔ پھر کاہے کو ہاتھ آئیں گے۔ اس کو کیا معلوم کہ یہ کہاں جا رہے ہیں۔ غرض یہاں یہ دہی بڑے والے سے ایسی پکڑا لڑے۔ کہ آخر کو ٹکٹ کلکٹر کی چھاتی پر پہنچے۔ اس نے کہا ٹکٹ مگر یہاں قلی نکلا جاتا تھا۔ بری طرح پھاند کر زور دے کر نکل گئے۔ اور تڑپ کر قلی کا ہاتھ جا پکڑا۔ اور ادھر ٹکٹ کلکٹر اور ایک سپاہی مع دہی بڑے والے کے ان پر ٹوٹ

پڑنے۔ جس کا یہ قلی اور اسباب تھا۔ اس نے کہا" یا وحشت۔ حضرت خیر تو ہے۔" سخت شرمندگی ہوئی۔ کیونکہ نہ ان کا قلی تھا۔ اور نہ اسباب۔ ٹکٹ کلکٹر کو اپنی پریشانی مختصر الفاظ میں بتا کر ٹکٹ دکھا کر بیطرح واپس ہوئے اور دہی بڑے والے سے کہا کہ ذرا دم لے۔ وہاں سے نکل کر جو واپس آئے تو دوسرا قلی بھی غائب۔ حیران ہو کر پولیس کے دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ کہ قلی نے کہا صاحب ایسا نہیں ہو سکتا۔ قلی دونوں پالکی کے پاس ہوں گے۔ دوڑ کر پالکی کے پاس پہنچے۔ وہاں ایک ہی موجود تھا۔ اتنے میں خیال آیا۔ کہ دوسرے قلی نے پوچھا تھا۔ کہ میاں کونسے درجہ میں سامان رکھا جائے گا۔ فوراً دوڑتے ہوئے ہماری طرف آئے۔ اور قلی کو ہمارے ڈبہ کے پاس کھڑا پایا۔ ان کا اطمینان ہو گیا اور بغیر ہماری بات سنے ہوئے سیدھے پالکی کی طرف بھاگے۔ اترنے والے اتر چکے تھے۔ اور بیٹھنے والے بیٹھ چکے تھے۔ اور اب اصغر صاحب نے پالکی کو زنانہ درجہ سے لگوا کر دو چادروں سے پردہ تنوائے اور بیوی سے کہا اترو۔

کہیں ایک قسمت کا مارا گورا ٹہلتا ہوا ادھر آ نکلا۔ شاید تازہ ولایت سے اس روز آیا ہو گا۔ ورنہ کم از کم لکھنؤ میں تو قطعی نو وارد تھا۔ اس نے بھلا یہ دھندے کا ہیکو دیکھے تھے۔ نمعلوم اس نے کیا سمجھا کہ وہ قریب آیا۔ اور از راہ تعجب یا تجسس پردہ کے قریب آ کر یہ دیکھنا چاہا۔ کہ اس میں کیا ہو رہا ہے۔ اس نے ایک طرف کی چادر کو ہاتھ سے نیچا کر کے اوپر سے سر ڈال کر دیکھا۔ بیوی تو بیٹھ ہی گئیں۔ لیکن چادر سمیٹ کے اصغر صاحب گورے پر گویا پھٹ پڑے

وہ زور کا نعرہ مار کر اُس پر آئے۔ کہ ہلڑ سا ہو گیا۔ اور ان کے ساتھ دو تین اور آدمیوں نے مل کر گورے کو وہ آڑے ہاتھوں لیا کہ اگر ایک دوسرا گورا آکر بیچ بچاؤ نہ کرتا۔ تو شاید پورا جھگڑا کھڑا ہو گیا ہوتا۔ اصغر صاحب بعد میں کہتے تھے کہ وہ گورا قطعی بدمعاش تھا۔ اور جھوٹا تھا۔ اور اس نے جان بوجھ کر جمیع مسلمانوں کی توہین کرنے کی نیت سے یہ فعل قبیح کیا تھا۔

زنانے درجہ کی سب کھڑکیاں چڑھا کر اور پانی وغیرہ کا انتظام کر کے اصغر صاحب مع ایک نفر قلی اور دہی بڑے والے کے ہمارے یہاں آئے ہم شربت پی رہے تھے۔ پہلے تو قلیوں سے بحث مباحثہ ہوا۔ پھر دہی بڑے والے کا نمبر آیا۔ پہلے تو دہی بڑے کا خوانچہ پہاندنے میں ناکامی کی وجوہات پر انہوں نے مفصل طور پر روشنی ڈالی۔ اور پھر سارا الزام دہی بڑے والے پر رکھا کہ اگر وہ اپنا ہاتھ خواہ مخواہ پاؤں میں نہ حائل کر دیتا تو وہ قطعی اس کو پھاند گئے ہوتے۔ غرض خوب جہائیں جہائیں ہونے کے بعد دہی بڑے والا پانچ روپیہ لے کر ٹلا۔ ریل چلی اور ذرا اطمینان ہوا تو پریشانیوں کی پوری تفصیل سننے میں آئی اب غور سے دیکھتے ہیں۔ تو پتلون کے پائینچوں اور موزوں پر دہی اور سونٹھ کی چٹنی کے جگہ جگہ دھبے تھے۔ لہٰذا ان کو رومال تر کر کے چھڑانے کی کوشش کر کے خوب پھیلایا۔

ذرا غور سے دیکھئے کہ جتنا اسباب اُن کے ساتھ تھا۔ اس سے چوگنا زیادہ ہمارے پاس تھا۔ سفر کرنے والے دو میاں بیوی وہ اور دہی ہم دو میاں بی بی تھے۔ مگر وہ ایک مصیبت میں گرفتار تھے۔ اور ہم آرام سے تھے

ان کی بیوی اگر باعث مصیبت نہیں۔ تو ہماری بیوی باعث آرام و تفریح۔ اگر واقعی وہ مذہب کے پابند تھے۔ اور ہم اس سے آزاد تھے۔ تو کیا یہ صحیح ہے۔ کہ یہ مذہب اس زمانہ اور معاشرت کے لئے موزوں ہے۔ یا ہمارا دعوے کہ ہمارا مذہب دین فطرت ہے۔ صحیح ہے ذرا پھر سوچئے

(۳)

تین چار اسٹیشن بعد اصغر نے اتر کر بیوی کی خبر لی۔ کہ کس حال میں ہیں وہاں دیکھنے کیا ہیں کہ سب کھڑکیاں جو وہ بند کر گئے تھے۔ کھلی ہوئی ہیں فوراً پھر ان کو چڑھایا۔ بیوی نے یہ خبر وحشت اثر سنائی۔ کہ کوئی شخص کالی اچکن پہنے ان کے چلے جانے کے بعد زنانہ درجہ میں آیا۔ اور ایک قلی پر ان کی ...... کا ایک ٹرنک دن دہاڑے رکھوا کر چلتا بنا۔ ان کی بیوی بچاری پردہ نشین ناتجربہ کار عورت تھیں۔ انہوں نے جو یہ دیکھا تو بجائے اس کے کہ خود کچھ کہتیں یا روکتیں۔ ایک قریب والی بی بی کے کان میں کہا۔ مگر یہ تیسرا درجہ تو تھا نہیں سب پردہ نشین بیویاں تھیں۔ انہوں نے کہا پھر روکتی کیوں نہیں ہو۔ یہ بھلا کیا روکتیں۔ وہ لے کر چل بھی دیا۔ اور گاڑی چلدی۔ اس ٹرنک میں علاوہ قیمتی کپڑوں کے ڈیڑھ دو ہزار کی مالیت کا اور بھی سامان تھا۔

فوراً دوڑ دھوپ کرکے پولیس کو اطلاع کی اور تار دلوائے۔ چاندنی نے ان سے کہا۔ معاف کیجئے گا۔ اس میں آپ کی بیگم صاحبہ کی غلطی ہے اوّل تو ان کو فوراً اس آدمی کو وہیں روکنا تھا۔ اور پھر اگر یہ نہ ہو سکا تو انکو زنجیر کھینچ کر گاڑی روکنی تھی اور نہیں یہ بھی تو کم از کم پہلے ہی اسٹیشن پر اطلاع کرتیں۔

معاف کیجئے" اصغر نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتیں آخر کیوں نہ پکڑ لیتیں۔ میں ہوتی تو اپنا ٹرنک ہرگز اس طرح نہ لے جانے دیتی" چاندنی نے کہا۔ اصغر بولے" جناب ایک ٹرنک کے پیچھے ہماری یہاں کی عورتیں نہ تو پردہ توڑتی ہیں اور نہ مردوں سے الجھتی ہیں" یہ الفاظ اصغر نے کچھ فخریہ لہجہ میں کہے۔

چاندنی نے کہا "محض اس بنا پر شاید انہوں نے اس کے متعلق اطلاع بھی نہ دی"

"بیشک" اصغر بولے" یہ تو ایک ٹرنک ہے اگر لاکھوں کی چیز ہوتی۔ تب بھی وہ کسی مرد سے اس کے متعلق بات نہ کرتیں"

ہم نے کہا تعجب ہے کہ آپ نے اپنے گھر کی عورتوں کو اس درجہ معذور بنا رکھا ہے۔ میری دانست میں ان فرسودہ خیالات کو آپکے سے روشن خیال آدمی کو جلد از جلد ترک کر دینا چاہئے

اصغر نے کہا" بندہ پرور ہم ایسی روشنی کا قائل نہیں جو مذہب کے خلاف ہو۔ یہ روشنی مصطفےٰ کمال پاشا ہی کو مبارک ہو۔ اسی طرح باتیں ہوتی رہیں۔ [illegible]

[illegible]

ایک اسٹیشن پر اصغر نے دیکھا کہ کوئی صاحب کھڑے زنانہ درجہ کی کھڑکیاں کھول رہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا فوراً لپک کر تیر کی طرح پہونچے "میں کھڑکیاں بند کرتا ہوں اور آپ ہیں جو کھول دیتے ہیں۔ یہاں [illegible]

"اچھا یہ آپ نہیں۔ میں خود تنگ ہوں۔ کہ بار بار کھولتا ہوں اور آپ بند کر دیتے ہیں۔ مارے گرمی کے عورتوں کا برا حال ہے۔ اور آپ کو پردہ کی سوجھی ہے اگر ایسا ہی ہے۔ تو آپ اپنی عورتوں کو کسی اور جگہ بٹھائیے۔ ورنہ سے کر ہی کیوں آپ چلے تھے۔" اجنبی نے کہا۔

"مگر میں جناب کو کھڑکیاں نہیں کھولنے دونگا۔" اصغر نے ایک کھڑکی کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "جتنا آپ کو حق ہے۔ اتنا ہی مجھے ہے"

"میں حق وق کچھ نہیں جانتا۔ اور کھولوں گا۔ عورتیں نہ ہوئیں۔ جانور ہو گئیں"

"تو آپ کم از کم میری طرف والی کھڑکی بند رہنے دیجئے"۔ اصغر نے کہا۔

"میں آپ کی اور اپنی کچھ نہیں جانتا۔ میں اس کھڑکی کو تو ضرور کھولوں گا۔ کیونکہ وہی تو ایک ضروری ہے"۔ اس تڑے اور ضدی شخص نے کہا۔

"آپ نہیں مانتے تو میں اسٹیشن ماسٹر سے کہتا ہوں" اصغر نے کہا۔

"آپ لاٹ صاحب سے کہہ دیجئے۔ جائیے"

اسٹیشن ماسٹر اور گارڈ دونوں آئے اور یہ تڑا اور ضدی شخص جیت گیا گرمی ہی اس شدت کی تھی۔ کہ کھڑکی بند کرنا محال تھا۔ مجبوراً اصغر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور غصہ بیوی پر اس طرح اتارا کہ ان سے کہا کہ برقعہ کے اوپر ایک چادر اوڑھ کر کونے میں ناک لگا کر بیٹھ جاؤ۔ "کیا ہی مذہب ہے"؟ تو بہ بہتر

(۴)

اصغر صاحب کی مصیبت کا دراصل خاتمہ نہ ہوا تھا۔ بلکہ یہ تو آغاز تھا۔ قدم قدم پر ان کے مذہب اور موجودہ معاشرت کا تصادم ہوتا تھا۔

گاڑی چلتے چلتے آہستہ ہوئی۔ اور رُک گئی۔ زنانہ ڈیوڑھے درجہ کے قریب کے پہیوں کے دھُرے بوجہ روغن کی کمی اور گرمی کی شدت کے تپ اُٹھے تھے۔ اور آگ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ گاڑی جنگل میں رُکی ہوئی تھی۔ اور اُس کے دھُرے پر پانی چھڑکا جا رہا تھا۔ عورتوں کو جلدی جلدی اتارا جا رہا تھا۔ اصغر صاحب کی بدحواسی قابل عبرت تھی۔ تمام پردہ کے لوازمات کے ساتھ بیوی کا اتارنا اور اسباب اتروانا ایک مصیبت تھا۔ یہاں کون تھا۔ جو چادریں تانتا۔ اور کون تھا جو ڈولی لاتا۔ ادھر گارڈ اترو اترو جلدی کرو کہہ کر رہے سہے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔ مجبوراً اصغر نے اپنی بیوی سے اترنے کو کہا۔ پلیٹ فارم تو تھا نہیں گویا چھت پر سے یہاں اترنے کا مضمون درپیش تھا۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ کہ کس طرح کوئی آنکھیں بند کر کے اتر سکتا ہے۔ مگر یہاں اصغر صاحب کی بیوی موجود تھیں۔ جن سے اس کمال کی توقع کی جا رہی تھی۔ وہ عورت جو ڈولی سے ایک قدم رکھ کر گاڑی کے ڈبہ میں بیٹھنے کی عادی ہو۔ وہ بھلا کیونکر برقعہ اور برقعہ کے اوپر چادر اوڑھ کر اس حیرانی و پریشانی میں اتر سکتی ہے۔ کانپتے ہاتھوں سے ٹٹول کر غریب نے کھڑکی کو پکڑا پیر نیچے کر کے ٹٹول رہی تھیں۔ کہ کس چیز پر اور کہاں رکھوں کہ بے پردگی ہونے لگی یعنی ہوا سے چادر اڑ کر کچھ حصہ پوشاک کا کھل گیا۔ اصغر زور سے چلائے۔ غریب نے گھبرا کر سنبھلنا چاہا کہ پیر کہیں کا کہیں پڑا ہاتھ سے کھڑکی چھوٹی اور دھم سے نیچے گریں۔ نیچے ٹرنک رکھا گیا تھا۔ جس پر اصغر کھڑے تھے۔ اس کا کونہ کوسہے میں اس زور سے لگا۔ کہ بے دم ہی تو ہو گئیں۔ مگر زبان سے اُف تک نہ نکلی۔ ایک تو گرمی کی شدت پھر اس پر

کپڑوں کا حبس۔ اور اس پر یہ چوٹ۔ غریب بیہوش ہوگئیں۔ جوں توں کرکے گھبراہٹ اور جلدی میں چاندنی نے سہارا دیکر اتھوایا کسی دوسرے مرد کی اہانت کے روادار نہ تھے۔ اور چاندنی میں اتنی قوت نہ تھی۔ نتیجہ یہ کہ بیچاری کو کنکروں پر مردہ کی طرح گھسیٹ کرلے چلے۔ دکیا یہی ہمارے مذہب کی شان ہے"؟)

جس طرح بن پڑا۔ ہزار دقت ایک زنانہ تیسرے درجہ میں غریب کو رکھا اپنے ساتھ سنبھالنے کو ہم نے بہت کچھ کہا مگر نہ مانے کوئی دوسرا درجہ بھی خالی نہ تھا۔ چاندنی ازراہ ہمدردی ان کی بیوی کی تیمارداری کے لئے ساتھ ہو گئی جوں توں کرکے اسباب اپنے ساتھ کیا اور گاڑی چلی۔

چاندنی نے وہیں گاڑی کی بنچ کے پاس نیچے لیٹا رہنے دیا۔ کیونکہ جگہ نہ تھی۔ تکیہ لگایا اور منہ کھول کر ہوا دی۔

اگلے اسٹیشن پر اصغر صاحب اتر کر جو آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ زنانہ درجہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اور سامنے بیوی لیٹی ہیں تندنو ان کے پاس بیٹھی ہوا دے رہی تھی۔ اور اس نے بنت کا پانی مانگا۔ مگر یہاں حالت ہی دوسری تھی بے اختیاری کے عالم میں آکر اصغر صاحب زور سے چلائے "ارے یہ کیا غضب کر رہی ہیں۔ منہ تو ڈھکئے۔ ارے منہ کیوں نہیں ڈھکتیں" یہ کہہ کر ایک دم سے لپک کر ... میں گھس گئے "یہ کیا ستم ہے۔ غضب ہے خدا کا" یہ کہہ کر اپنی بیوی کا منہ ڈھک دیا۔ اور ٹیڑھی نظر سے غصہ میں چاندنی سے کہا "یہ آپ نے کس سے کہا تھا۔ کہ اپنی طرح میری بیوی کا بھی منہ کھول دیں۔ یہ آپ ہی کو مبارک ہو

آپ رہنے دیجئے۔ اور جائیے"۔
گئی تھی۔ بھلے کو اور وہاں برا ہوا۔ چاندنی بیچاری چپ چاپ چلی آئی ہماری طبیعت خراب تھی۔ اور اس وجہ سے اس سفر میں اس کی طبیعت حاضر نہ تھی۔ پھر بھی کہنے لگی "کہئے تو پھر ان کی خبر لی جائے"۔ ہم نے کہا کہ "نہیں رہنے دو"۔ اتنے میں اصغر صاحب آ گئے۔ اور پھر اسی جلے بھنے لہجہ میں چاندنی سے کہنے لگے "آپ سے آخر کس نے کہا تھا۔ کہ آپ میری بیوی کا منہ ہر کس و ناکس کے دیکھنے کے لئے کھول دیں"۔

چاندنی بولی "میں شرمندی ہوں مگر یہ تو......"

"اجی صاحب" اصغر نے کہا "مگر وگر کو جانے دیجئے آخر شرم و حیا بھی تو کوئی چیز ہے۔ آپ کی طرح تو دلی......"

اتنا کہنا تھا کہ جلی تو بیٹھی ہی تھی۔ چھڑی لے کر جب تک ہم روکیں روکیں ایک دو تین اصغر صاحب کے اوپر تڑاتڑ بالکل اسی طرح لگا دیں۔ جس طرح ماسٹر اوپر انہوں نے حقہ کے ہاتھ پڑے تھے۔ اصغر صاحب نے بہت ادھر ادھر دیکھے مگر نہیں چار بری طرح پڑے۔ "نہیں نہیں" کر کے ہم بیچ میں کود پڑے۔

"بدتمیز بدزبان تم یہاں سے نکل جاؤ"۔ یہ کہہ کر وہ غصہ میں زنجیر کی طرف لپکی "میں ابھی نکلواتی ہوں"۔ "یہ کیا واہیات ہے"۔ ہم نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور پکڑ کر بٹھایا۔ وہ غصہ میں کانپ رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی "مجھے چھوڑ دیجئے"۔ ہم نے ڈانٹ کر بٹھایا۔ اصغر صاحب کی عجیب ہی حالت تھی ہم نے ان سے معافی

مانگی۔ اور تھوڑی دیر میں چاندنی سے بھی کہا کہ تم بھی معافی مانگو۔

تبسّم یکا اصغر صاحب اپنے الفاظ واپس لیں "میں اپنی بیوقوفی اور گستاخی نادم ہوں اور معافی مانگتی ہوں۔ چاندنی نے بڑی مشکل سے سمجھانے بجھانے پر کہا "مجھ کو افسوس ہے کہ میں غصہ میں آپ کو معلوم کیا کیا کہہ گیا" یہ ہم نے اصغر صاحب سے کہلوایا۔ اور دونوں سے ہاتھ ملوایا مگر نہ تو چاندنی کا دل صاف تھا۔ اور نہ اصغر صاحب کا اور بقیہ راستہ اور ہر نہ چپلے بیٹھے رہے اور اوپر یہ چپ بیٹھی رہی۔

ہم نے چپکے سے چاندنی کے کان میں کہا "دوست تم نے ہمارا بدلا خوب لیا اس شخص نے اس روز ہماری تفہ سے مرمت کی تھی"۔

چاندنی نے تعجب سے کہا "ارے" ہم نے کہا چپ خبردار جو بات نکالی حضرت ہمیں پہچان ہی نہ سکے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ وہ چپ ہو گئی آگرہ پر ہم دونوں جب اترے تو اصغر صاحب سے پھر ملال رفع کرنے کیلئے ہاتھ ملائے۔

بدقسمتی سے اصغر صاحب کی مصیبتوں کا خاتمہ اب بھی نہ ہوا تھا۔ اور ہم آٹھ سات روز بعد جب اصغر صاحب کے گھر دوبارہ اپنی بیوی کی بدتمیزی پر معافی مانگنے گئے۔ تو ہماری تعجب کی انتہا ہی نہ رہی اصغر کا گھر تو خاصا ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور ہم سناٹا میں آ گئے۔ جب ہم نے سنا کہ اصغر صاحب کی بیوی کھو گئیں۔

آگرہ کے اسٹیشن پر سے وہ اسی طرح چادریں تان کر ڈولی میں مبٹھا کر لائے یہ تانگے پر تھے اور ڈولی کے ساتھ ساتھ لوگ تانگہ گھر پہ بجائے بیوی کے ایک سن رسیدہ پردہ نشین غریب بی بی اتریں [illegible] حیران کہ میں کہاں آ گئی۔ اور ادھر

اصغر کے گھر والے پریشان۔ وہ کہتی تھیں۔ کہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ جو ڈولی لے کر آیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہماری بیوی لا دو۔ ڈولی کر اسٹیشن پر پہنچے وہاں سے گاڑی راجہ منڈی کے اسٹیشن پر جا چکی تھی۔ وہاں پہنچے تو اتنا تو ضرور پتہ چلا کہ گاڑی چونکہ یہاں ختم ہو جاتی ہے لہذا سوا ایک دفعہ پوشی عورت کے اس میں کوئی نہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ اتر کر ایک آدمی کے ساتھ چلی گئیں۔ دونوں کے پاس ٹکٹ آگرہ سٹی سے راجہ منڈی تک کے تھے۔ دوسرا آدمی ملازم معلوم ہوتا تھا۔ جو انکو کسی بند گاڑی میں بٹھا لیگیا۔

یہاں اس تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ کہ کس کس طرح دن اور رات پولیس نے تفتیش کی مگر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ غریب سن سیدہ بی بی صاف چھوٹ گئیں۔ دوسرے ہی دن صبح کو انکا یہ خط ان کے بیٹے کو مل گیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ڈولی لے کر اسٹیشن پر ملنا۔

اصغر کا برا حال تھا۔ سر ٹکرا ٹکرا کر انہوں نے دیوانوں کیطرح پھوڑ لیا تھا بلکہ عجب نہیں تھا کہ اگر گھر والے نہ ہوتے تو وہ اپنی جان گنوا دیتے۔ کیونکہ انکو اپنی بیوی سے محبت ہی نہیں۔ بلکہ عشق تھا۔ انکی حالت ناقابل رحم تھی۔ اور انکو دیکھنے سے عبرت ہوتی تھی وہ بالکل پاگل سے ہو رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ انکا بکس مل گیا۔ کوئی بھلے مانس ہو کہیں لیگئے تھے۔ وہ غلطی کا علم ہونیپر واپس کر گئے جو یہاں آ گیا مگر یہاں تو اب بکس والی کا رونا تھا ہم انکے گھر والوں سے اور انکی ہمدردی کر کے رنجیدہ گھر واپس آئے۔ اور چاندنی کو حال سنایا اسکو بھی بیحد افسوس ہوا

سال بھر تک ہم آگرہ میں رہے اس وقت تک تو اُن کی بیوی ملی نہ تھیں۔ اور اُن کا قصہ بھی پرانا ہو چکا تھا کہ ہم دوسری جگہ پہنچے۔

پانچواں باب

شریر بیوی

فلسفہ عصمت

ایک عورت تو وہ ہے جو اپنے خاوند کی وفادار بیوی ہے۔ مگر کوئی شخص جبراً اس کی عزت لیتا ہے اور وہ پھر اس ذلت کی زندگی سے موت بہتر خیال کرتی ہے مگر بچ جاتی ہے۔ لیکن دوسری عورت وہ ہے جو دل سے اپنے خاوند کے بجائے کسی دوسرے کو چاہتی ہے مگر بوجہ بندوقید اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتی اور اسطرح گو اسکا دل پاک نہیں مگر جسم پاک ہے۔

سوال یہ ہے کیا ان دونوں کا درجہ عزت یا ذلت میں برابر ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ اول الذکر عورت اس طرح ناموس وعزت کھو بیٹھنے کے بعد خاوند کے کام کی نہیں رہتی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہاں بدقسمتی سے یہ واقعہ ہے کہ عورت پھر خاوند کے کام کی نہیں رہتی کیونکہ عصمت ہی ایک ایسا جوہر ہے۔ کہ ایک مرتبہ وہ خواہ کسی طرح بھی ضائع جائے۔ پھر ناممکن ہے کہ اس کی تلافی ہو سکے۔

یہ تو دنیا کے اکثر فلسفیوں کا فیصلہ ہے لیکن فلسفہ اسلام کیا کہتا ہے۔ مظلوم کا سوائے اسلام کے کوئی حامی نہیں۔ اسلام کا فیصلہ ہے کہ ایسی عورت کو درجہ تو بڑی

چیز ہے روئی کا گالا نہیں مارا جاسکتا وہ پاک ہے اور عصمت مآب ہے اور اپنے خاوند اور خدا کے سامنے بلند ہو کر علی الاعلان اپنی معصومیت کا دعوےٰ کر سکتی ہے۔ وہ بغیر آنکھ جھپکائے ہوئے اپنے خاوند سے آنکھ ملا سکتی ہے ظالم کو سزا قانون دے گا ورنہ خدا۔

(۱)

آگرہ سے گئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ کہ ہم اور چاندنی الہ آباد سے آگرہ جا رہے تھے قسمت کی خوبی کہ آج پھر قریب دو سال کے بعد دوبارہ اصغر صاحب کا سفر میں ساتھ ہوا۔ گھر سے تو چاندنی شرارتوں کا پورا پروگرام تیار کر کے چلی تھی مگر یہاں دوسرا ہی معاملہ درپیش ہو گیا

پہلا سوال جو ہم دونوں نے اصغر صاحب سے پوچھا وہ انکی بیوی کے بارہ میں تھا وہ اب تک لاپتہ تھیں لیکن اصغر صاحب لکھنؤ سے اپنی دوسری شادی کے سلسلہ میں جا کر واپس آ رہے تھے۔ دراصل دنیا بھی عجیب جگہ ہے ان کی حالت ایسی تھی کہ کوئی نہ کہہ سکتا تھا۔ کہ اصغر کبھی دوسری شادی کریں گے مگر یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی چہل پہل احباب و دوستوں کی گہما گہمی اور خوش مذاقی میں دنیا کے تمام رنج خود بخود محو ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اصغر کا تھا۔ مگر پھر بھی اس ذکر نے انکا غم ایسا تازہ کر دیا کہ ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اور لطف یہ کہ چاندنی بھی محض ان کی حالت ہی دیکھ کر رو رہی تھی۔ بات آئی گئی ہوئی اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم بھی بھول گئے۔ دراصل ہمیں اور چاندنی دونوں کو اصغر صاحب سے ایک قدرتی ہمدردی ہو گئی تھی جس کے ظاہر کرنیکا موقع ہم کو سال بھر ہوا آگرہ ہی میں مل چکا تھا۔

نوابنہ کے اسٹیشن پر چاندنی تو گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور ہم اور اصغر صاحب باہر کھڑے تھے۔

"ذرا اس بچہ کو دیکھئے" اصغر نے ایک بچہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

یہ کوئی ڈیڑھ سال یا پونے دو سال کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ نیا نیا چلنا سیکھا تھا اور بے طرح ہنسی کا گول گپا بنا ہوا ڈگمگاتا چلا آرہا تھا۔ خوب گورا چٹا سرخ و سفید اور تندرست تھا۔ صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ پیچھے اس کا غریب دیہاتی باپ ہنستا آتا تھا۔ یکدم سے بھاگنے میں اصغر کے قریب آکر یہ ڈگمگایا۔ اصغر نے گود میں اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کے سامنے کیا۔ بچہ نے غور سے اصغر کو دیکھتے دیکھتے ان کے منہ پر ہاتھ مار دیا کہ دیکھنے والوں کا ہنسی کے مارے برا حال ہوگیا۔ اصغر نے ہنستے ہوئے چھوڑ دیا اور وہ پھر ڈگمگاتا ہوا ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ بار بار گرتا تھا اور پھر ہنس کر دوڑتا پھرتا تھا۔

چاندنی نے کہا "واقعی بڑا پیارا بچہ ہے"۔ پھر اصغر صاحب سے کہا "اصغر صاحب اس بچہ کی آنکھیں اور ماتھا تو ہو بہو آپکا سا ہے۔ میں بڑی غور سے دیکھ رہی تھی"۔

اصغر صاحب ہنسنے لگے اور بچہ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ اتنے میں اس نے پھر اسی طرف رخ کیا۔ اس کا باپ اس کے پیچھے لپکا تو وہ آکر اصغر کی ٹانگوں سے چپٹ گیا۔ اور ہنسی کے مارے اس کا برا حال ہوگیا۔ اصغر نے پھر اٹھا لیا۔ اور اسی طرح دیکھنے لگے ہم نے غور سے دیکھا اور کہا "واقعی اصغر صاحب اس کی آنکھیں اور ماتھا تو بالکل آپ سے ملتا ہے۔ بلکہ ناک اور دہانہ کی ساخت بھی کچھ کچھ آپ سے ملتی ہے"۔

اصغر نے ہنسکر کہا "آپ دونوں عجیب آدمی ہیں۔ یہ سب باتیں اور پھر وہ بھی

اس کے باپ کے سامنے جو عجب نہیں حرف بحرف سنتا ہو"

چاندنی نے جھانک کر اس شخص کی طرف دیکھا اور کہا "آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں یہ اس کا بچہ کسی طرح نہیں"

اصغر نے اُس سے پوچھا "کیوں بھئی۔ یہ تمہارا بچہ ہے"

"جی ہاں میرا ہی سمجھئے" اس شخص نے کہا۔

"تمہارے کسی عزیز کا ہوگا" اصغر نے کہا۔

"جی ہاں"

"تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو"

"میں سکندرہ جا رہا ہوں اور میرے یہاں کپڑے کا کام ہوتا ہے" اس شخص نے کہا۔

اصغر کو یہ بچہ ایسا اچھا معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے رومال میں مٹھائی لے کر اُس شخص کو دی کہ یہ بچہ کے لئے ہے اس نے کہا "واہ صاحب یہ آپ نے کیوں تکلیف کی" یہ کہہ کر وہ مٹھائی ہاتھ میں لینے لگا کہ اتنے میں ریل نے سیٹی دی اور چلنے کو ہوئی اور اصغر نے رومال دے دیا کہ ان کی ماں کو دے دو۔ وہ کسی برتن میں کر لے گی" میں آپ کا رومال اگلے اسٹیشن پر دے جاؤنگا" یہ کہہ کر وہ بچہ کو گود میں لے کر زنانہ درجہ کے پاس گیا۔ اور رومال اور مٹھائی دے کر جھٹ سے اپنے درجہ میں بیٹھ گیا اور گاڑی چل دی

(۲)

رومال کا کچھ خیال بھی نہ تھا کہ دوسرے اسٹیشن پر وہی شخص آیا جسکا نام جمعہ بخش تھا۔ اصغر کو اس نے ایک سفید انگوٹھی دیکر کہا۔ کہ "دیکھئے یہ شاید آپکی

رومال میں لپٹی ہوئی چلی گئی۔۔ وہاں آپ کا ذرا دھولوں تو ابھی لاتا ہوں۔ اصغر آرام سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے بچہ کا ہاتھ سے انگوٹھی لی۔ حسین بخش رومال لینے گیا تھا۔ انگوٹھی کو دیکھتے ہی اصغر صاحب اچھل سے پڑے اور انہوں نے کہا "ارے" وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اور ان کے ہاتھ سے انگوٹھی چھوٹ پڑی۔ ہم نے اور چاندنی نے متعجب ہو کر اصغر کو دیکھا جنکی حالت ہی عجیب تھی۔ انہوں نے انگوٹھی اٹھائی۔ "خیر تو ہے" ہم نے اور چاندنی نے پوچھا اور یہ کہتے ہوئے چاندنی نے اصغر صاحب کے ہاتھ سے انگوٹھی کو لے کر دیکھا۔

یہ ایک پلاٹینم کی قلعی کی نہایت ہی سبک مہر کی انگوٹھی تھی۔ اور اس پر عراقی خط میں کچھ خوبصورت عبارت کندہ تھی۔ غور سے پڑھا تو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ اس پر لفظ "معصومہ" کندہ تھا۔

"یہ کیسی انگوٹھی ہے؟" چاندنی نے پوچھا۔

اصغر صاحب نے کہا "میری گم شدہ اہلیہ کا نام ...... وہ یہی انگوٹھی پہنے تھیں"

ہم دونوں ہکا بکا رہ گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ہمارے کان میں چپکے سے چاندنی نے کہا "کہیں یہ بچہ سچ مچ ان ہی کا تو نہیں ہے ذرا پوچھو!"

ہم نے اصغر صاحب سے چپکے سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ جب وہ گم ہوئیں تو ڈیڑھ دو ماہ کا حمل تھا۔ معاملہ صاف تھا۔ اور ہم نے اصغر صاحب سے کہا "میرا قطعی خیال ہے کہ آپ کی گم شدہ بیوی معہ آپ کے بچہ کے اس گاڑی میں موجود ہیں!"

اصغر صاحب عجب چکر میں تھے اور ان کی عقل کام نہ کرتی تھی۔ وہ خاموش

تھے کہ چاندنی نے پوچھا "کیا آپ کے رومال پر کوئی ایسی نشانی تھی جو آپ کی بیوی پہچان سکتیں"؟ اصغر نے چونک کر کہا "آپ سچ کہتی ہیں۔ سچ کہتی ہیں رومال میں نے مدتوں کے بعد نکالا ہے اس پر انہی کے ہاتھ کا انگریزی حرف 'A' کڑھا ہوا تھا۔

ہم نے کہا "قطعی اب تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ انہوں نے آپکا رومال پہچان لیا۔ اور تحقیق کرنے کیلئے یہ انگوٹھی بھیجی ہے۔ وہ بچہ قطعی آپ کا ہے۔ اور بیوی بھی آپ کی موجود ہیں۔

اصغر کی اس وقت عجیب ہی حالت تھی۔ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ..... تھے۔ دوسرا اسٹیشن جمنا برج کا آیا اصغر کو ہم نے روکا کہ کہیں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے۔ چاندنی نے وہاں جاکر دیکھا۔ تو فوراً پہچان لیا۔ اس کے ہاتھ میں رومال تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جسین بخش اب سب معاملہ سمجھ گیا اور وہ خاموش یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

آگرہ فورٹ پر پہونچکر چاندنی نے جلدی سے معصومہ کو اتروایا۔ برقعہ تو درکنار اس کے پاس کوئی دوسری بڑی چادر سوا ایک گاڑھے کی چھوٹی چادر کے نہ تھی۔ اس کو تو بند گاڑی میں بٹھایا چونکہ کسی کو کچھ نہ معلوم تھا۔ لہذا اصغر نے ہم دونوں سے کہا کہ "آپ میرے ساتھ چلیں۔ کیونکہ سوا آپ لوگوں کے یہاں کوئی دوسرا گواہ ہی نہیں ہے"

(۳)

"میں یوں نہیں ملوں گی" معصومہ نے روتے ہوئے چاندنی سے کہا "میں

نہیں ملوں گی جب تک کہ آپ یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ مجھ ذلیل سے ملنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے گاڑی سے اترنے سے انکار کر دیا۔

چاندنی نے تعجب سے کہا: "یہ آخر کیوں؟"

"میں کہہ چکی ہیں ہرگز نہ اتروں گی اور لوٹ جاؤنگی خواہ کچھ ہی ہو!" اسی طرح روتے ہوئے اس مظلوم نے کہا

"چاندنی نے مشکوک ہو کر کہا حسین بخش ......"

"وہ میرے سگے بھائی کے برابر ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔"

خوش ہو کر چاندنی نے کہا: "پھر آخر کیا معاملہ ہے"؟

"آپ جا کر ان سے پوچھ آئیے" معصومہ نے کہا: "میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔"

گو اصل قصہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا مگر اس موقعہ پر ہم معصومہ کی سرگذشت سنا کر ناظرین سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ان واقعات کو ذرا غور سے پڑھیں۔ اور درس عبرت لیں۔ ہم اس کو بطور قصہ کے وہاں سے شروع کرتے ہیں۔ جہاں سے وہ گم ہو گئی تھی سلسلہ کے لئے قارئین گذشتہ باب کو دیکھیں۔

(۴)

ہم کہہ چکے کہ گرسٹی اسٹیشن پر جب ہم اترے تو چلتے وقت اصغر سے رخصت ہوئے۔ مگر ان کی بیوی کو دیکھنے چاندنی نہ گئیں کیونکہ سفر کے دوران میں ایک مرتبہ مزاج پرسی کی نیت سے جب چاندنی نے جانے کا ارادہ کیا تھا تو اصغر صاحب نے کہہ دیا تھا۔ کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ میں خود آپ کی طرف سے مزاج

پرسی کردوں گا۔"

معصومہ غریب اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ برقعہ میں سے بھیڑ بھاڑ میں اس نے یہ بھی نہ دیکھا۔ کہ اصغر آئے اور ڈولی منگوا کر ملازم کو ہدایت بھی کر گئے کہ اتروا لو میں اسباب دیکھتا ہوں۔ ڈولی آ کر لگی۔ اور چادریں تانی گئیں تو وہ آگے بڑھی کہ ایک بڑی بی نے کہا "بیٹی یہ تو میری ہے میرا لڑکا لایا ہے"! کیونکہ معصومہ نے برقعہ میں سے رات کے وقت نہ تو اصغر کو دیکھا تھا اور نہ اس مجمع میں ملازم کو پہچان سکتی تھی۔ وہ یہی سمجھی کہ بڑی بی سچ کہتی ہیں۔ لہٰذا وہ بیٹھ کر چلی بھی گئیں اصغر نے جو ملازم کو ڈولی لیجاتے دیکھا۔ تو انہوں نے بھی زنانہ درجہ کی طرف پھر رخ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیونکہ اسباب سب مردانہ درجہ میں تھا۔

خدا بے بس عورتوں کو بدمعاشوں کے پنجہ سے بچائے۔ اور خاص طور پر ایسی معصوموں کو جیسے معصومہ تھی۔ ایک نا ہنجار نہ معلوم کہاں سے آ رہا تھا۔ اس نے شاید اس معصوم کو اپنے شکار کے لئے تاڑ لیا تھا۔ وہ زنانہ ڈبہ کے پاس آیا اور اس نے معصومہ سے کہا۔ میاں نے کہا ہے۔ آپ اگلے اسٹیشن پر اتریں۔ کیونکہ یہاں کوئی بند گاڑی ہے اور نہ ڈولی۔ معصومہ سوچنے بھی نہ پائی کہ گاڑی چل دی وہ یہی سمجھی کہ گھر کا ملازم ہے اس سے کہلوا دیا ہوگا۔ اور خود بھی اگلے اسٹیشن پر اترینگے وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔ راجہ منڈی کے اسٹیشن پر گاڑی جا کر رکی اور یہ شخص معصو کے پاس آیا اور کہا اترئیے۔ یہاں کوئی ڈولی وغیرہ نہیں ہے۔ میاں اسباب لے کر وہ جا رہے ہیں۔ جلدی اترئیے"۔ اس کو بھلا بھیڑ میں برقعہ اور چادریں سے کیا دکھائی

دیتا۔ وہ اتر آئی۔ اور اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ راجہ منڈی پر بھیڑ زیادہ تو ہوتی نہیں ہے۔ دروازہ کے پاس پہنچکر معصومہ نے اصغر کو نہ دیکھا تو پھر بھی اسکو تعجب نہ ہوا کیونکہ وہ یہ جانتی تھی۔ کہ باہر کھڑے ہوں گے۔ وہ باہر آئی تو اس آدمی نے دور ہی سے پکار کر کہا۔ "میاں ادھر آئیے یہ گاڑی موجود ہے"۔ معصومہ سمجھی اصغر کو ملازم پکار رہا ہے وہ اس میں بیٹھ گئی۔ اور کھڑکی کا دروازہ بند کر لیا۔ اتنے میں اس شخص نے کہا بھئی تم گاڑی ذرا بڑھا کر پل کے پاس نکالو۔ وہ دیکھو قلی تو اُدھر جا رہے ہیں"۔ معصومہ نے ان باتوں پر غور بھی نہ کیا اور گاڑی چل دی اور وہ بھی خوب تیز معصومہ سمجھی کہ قلیوں کے پاس پہنچکر گاڑی روکی جائے گی۔ اور اصغر مع اسباب کے آکر بیٹھ جائے گا۔ مگر وہاں تو گاڑی بے تحاشا جا رہی تھی۔ وہ بالکل نہ گھبرائی۔ مگر یہ سوچتی تھی کہ آخر کس سے اور کیسے پوچھوں کہ اسباب کیوں نہیں۔ کہتے وہ نہ تو ملازم سے بات کر سکتی تھی اور نہ کوچوان سے اور نہ کھڑکی کھول کر کسی سڑک والے کو پکار سکتی تھی۔ یہ سب کیوں؟ محض اس وجہ سے کہ جس ماحول میں اس نے تربیت پائی تھی۔ اس کے مذہب میں یہ سب منع تھا۔ وہ چاہتی بھی تو ممکن نہ تھا کیونکہ وہ اس قدر کمزور طبیعت اور معصوم تھی کہ اس سے یہ سب ناممکن تھا

معصومہ کو معلوم کیا شبہ ہو رہا تھا۔ کیونکہ گاڑی بجائے بازار کے سنسان راستہ پر جا رہی تھی۔ اور اس کے اندازہ کے مطابق اب تک گاڑی کو گھر پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ اس نے سب باتوں پر یکجائی غور کیا۔ اور جھانک کر باہر جو دیکھا تو اس کا کلیجہ بیٹھ گیا۔ اس نے پریشان ہو کر کھڑکی پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ اور

اور جب گاڑی نہ رکی تو اس نے کھڑکی کو مارا۔ گاڑی ایک دم سے رکی۔ کھڑکی کھلی اور وہی شخص اندر یہ کہہ کر داخل ہوا کہ اگر ذرا بھی چلائی تو مار ڈالونگا۔" اس نے کھڑکی بند کر لی اور پھر گاڑی چلدی۔ خدایا پناہ! غریب معصومہ کا اسوقت کیا حال ہوگا۔ کسی قلم میں طاقت نہیں کہ صحیح حالات کو قلم بند کر سکے وہ زندہ تھی مگر مردہ سے بدتر مردہ سہم کر کونہ میں سرک گئی۔

وہ شریف عورت اور معصوم فرشتہ سیرت جس نے کبھی کسی نامحرم سے بات تک نہ کی ہو بھلا کیونکر کسی وحشی ظالم کی دھمکیوں یا دست درازیوں کی متحمل ہو سکتی تھی۔ انتہائی دہشت سے اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اور وہ بیہوش ہوگئی۔

(۵)

معصومہ کو ہوش جو آیا تو اس نے اپنے آپکو ایک ذلیل بستر پر پڑا پایا۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا کیونکہ اس جگہ قبر کی سی تاریکی تھی۔ ہوا میں نمی اور تعفن سا تھا اور بھاری معلوم ہوتی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ اور وہی خیال کر رہی تھی۔ کہ میں زندہ ہوں یا مردہ ایک ہُو کا عالم تھا۔ اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور معصومہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کہ ایک دم سے ایک سمت سے کچھ کھٹکا سا ہوا۔ وہ سہم گئی کہ تاریکی میں اس نے ایسی آہٹ سنی کہ جیسے کوئی سانپ کی طرح آرہا ہے ظالم آ پہنچا اس نے اپنے دل میں کہا ہائے معصومہ اب یہاں تیرا کوئی یار و مددگار نہیں

اتنے میں ایک دیا سلائی جلی اور اس نے اس خوفناک چہرہ کو دیکھا۔ اس نے ایک کڑوے تیل کا چراغ روشن کیا۔ معصومہ نے چاروں طرف نظر ڈالی تو اس کو

معلوم ہوا کہ وہ شاید کسی تہ خانہ میں ہے۔

بنظالم چارپائی کے پاس آکر ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ معصومہ سکڑ کر علیحدہ ہوگئی اس نے معصومہ کو کچھ مٹھائی اور دودھ دیا اور افسوس کہ اسکو اس نے مار مار کر کھلایا۔

چیونٹی تک اپنے بچنے کی کوشش میں انتہائی کوشش کرتی ہے۔ اور معصومہ نے بھی اپنے کو اس ظالم سے بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کی۔ عمر میں پہلی مرتبہ اسنے نامحرم سے ہاتھ جوڑ کر کہا "خدا کے لئے میرے اوپر رحم کرو اور میرے گھر پہنچا دو" مگر توبہ کیجئے۔ سنگدل نے غصہ میں آکر اس کا گلا ایسا سر گرا رگڑ کر گھونٹا کہ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگی۔ اس نے اپنی جان بچانے کی آخری کوشش کی پھر ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوگئے اور وہ بیہوش ہوگئی۔

وہ ہوش میں آئی۔ کہ پھر اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہوگئی اسی طرح وہ کئی مرتبہ ہوش میں آکر بیہوش ہوئی۔

نہ معلوم وہ کتنی دیر تک بیہوشی کے عالم میں پڑی رہی کہ اس کی آنکھ کھلی اور اس کو معلوم ہوا کہ اب بدن سے اس کے ہاتھ پیروں میں بالکل جان نہ تھی۔ اور وہ بڑی دیر تک اسی طرح پڑی رہی۔ چاروں طرف وہ اندھیرے میں دیکھ رہی تھی تھوڑی دیر بعد اس کو دکھائی دینے لگا۔ وہ ایک تہ خانہ میں تھی۔ جس کے بیچ میں تین ستون کھڑے تھے۔ بڑی دیر تک وہ اسی طرح پڑی رہی پھر آخر کو اٹھی اور اٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے چارپائی کی پائنتی کی رسی کھول کر ایک پھندا

بنایا تاکہ وہ اپنی ذلیل زندگی کا جلد سے جلد خاتمہ کرے۔ اس کالو غریب کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ اس طرح جان دینا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے جیسے ہی پھندا سخت ہوتا تھا ہاتھ خود بخود ڈھیلا ہو جاتا تھا۔ جب ہر طرح اس کو اس میں ناکامی ہوئی۔ تو اس نے ایک پتھر سے کر خوب خوب اپنا سر پھوڑا۔ مگر اس طرح بھی وہ اپنے کو مار نہ سکتی تھی۔ وہ مرنے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ مگر بھلا موت کہاں آخر کار تھک کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد اٹھی اور اس تہ خانہ کا کونہ کونہ دیکھا دروازہ اس کا کیا تھا بس آہنی تختہ تھا۔ جو زنگ آلود تھا۔ اس نے جب دیکھا۔ کہ یہ نہیں کھلتا تو پھر ہار تھک کر چارپائی پر آکر پڑ رہی اور اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ روتے روتے سو گئی۔

معلوم وہ کتنی دیر تک سوئی کہ ایک پریشان خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ اصغر سامنے رنجیدہ کھڑا ہے۔ وہ دوڑی کہ اس نے نفرت سے کہا تو کس منہ سے میرے سامنے کھڑی ہوئی وہ رک گئی اور سنے گر کر اپنے پیارے خاوند کے پیر پکڑ سئے کہ اس نے جھٹکا دے کر چھڑا لیا اور وہ جاگ اٹھی آنکھ جو کھلی۔ تو وہی سناٹے کا عالم تھا۔ وہ دیوانہ وار اٹھ کر سر دھننے لگی۔ اور پاگل ہو کر اس نے اپنا سر دیوانہ وار دیوار سے دوڑ کر ٹکرا دیا۔ وہ بے ہوش تو نہ ہوئی۔ مگر بیجان ہو کر زمین پر گری۔ وہ اسی حالت میں بڑی دیر تک پڑی رہی۔

سناٹا اسی طرح چھایا ہوا تھا اور وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس کو پہلے تو کچھ شبہ سا ہوا۔ مگر پھر اس نے جب کان لگا کر سنے تو یقین

سا ہو گیا کہ کوئی شخص دیوار کی ..... آدھی سے زائد بلندی کے پاس کچھ کھود رہا ہے۔ دھکا زیادہ زور دار ہوتا جاتا تھا۔ اور وہ اُسی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ اتنے میں کچھ مٹی سی اس جگہ سے گری۔ وہ چونکی۔ کہ اتنے میں ایک اینٹ گری۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اور وہ ٹہنک کر دیوار سے لگ کر گرتے ہوئے مٹی اور اینٹوں کو دیکھنے لگی۔ اینٹیں گرنا بند ہو گئیں اور تھوڑی دیر بعد دستک کی آواز کم ہو کر بند ہو گئی۔ اور بدستور سناٹا ہو گیا۔ جب بڑی دیر گذر گئی۔ تو وہ اٹھی اس کو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں وہ ظالم پھر نہ آ پہنچے۔ اس نے غور سے دیوار کو اٹھ کر دیکھا جہاں سے اینٹیں اور مٹی گری تھی۔ کیا عجب کہ یں اُسی طرف سے نکل سکوں۔ یہ خیال اس کے دل میں آیا اس نے پلنگ کو گھسیٹ کر دیوار کے پاس رکھا۔ مگر سوراخ اونچا تھا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اور پلنگ کو ہٹا کر اس کی جگہ تخت کو بڑی مشکل سے کھینچ کر لائی۔ تخت کے اوپر اس نے چارپائی کے سرہانے کے دو پائے رکھے اور اس پر کھڑی ہو کر اس نے جہاں سے اینٹیں گری تھیں اس مقام کا معائنہ کیا۔ ہاتھ سے اوس نے مٹی اور اینٹیں ہٹانا شروع کیں۔ اور اس کام میں اس کو کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ کیونکہ وہ جگہ ابھی تازہ کھدی ہوئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے ایک بڑا سا سوراخ کر لیا۔ اب نری مٹی ہی مٹی تھی جو اس نے ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر گرانا شروع کی۔ لیکن جوں جوں وہ مٹی ہٹاتی جاتی تھی۔ اوپر سے مٹی اور کھسکتی آتی تھی۔ مٹی ہٹانے میں اس کا ہاتھ کسی ٹین کی صندوقچی سے لگا۔ جس کو اس نے پکڑ کر گھسیٹا۔ ساتھ ہی اس کے بہت سی مٹی کھسک آئی۔ صندوقچی چھوٹی سی تھی مگر بہت وزنی تھی۔ اس نے اس کو ہلا کر

دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاید اس میں روپیہ پیسہ ہے۔ اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے مٹی گرانا شروع کی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی آنکھوں میں ذرہ کی چمک معلوم ہوئی۔ اس نے اور مٹی ہٹائی اور جھانک کر دیکھا۔ تو اسکو آسمان کے بجائے شکستہ دیوار سی نظر آئی اور سامنے کچھ اینٹیں اور کوڑا پڑا تھا اس نے جلدی سے سوراخ کو بڑا کیا۔ اور جب کافی بڑا ہو گیا۔ تو وہ اس میں لیٹ کر اوپر نکل آئی۔ اس نے دیکھا کہ میں ایک چھوٹے سے شکستہ مگر اینٹ اور چونے کے غار میں ہوں۔ یہ ایک تنگ جگہ تھی۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی۔ کہ اس صندوقچی کا کیا کروں۔ اگر اسی جگہ چھوڑتی تھی تو اس کو قطعی یقین تھا۔ کہ وہ ظالم آکر اس کو لیلے گا۔ اور اگر ساتھ لئے جاتی.... تو اس کا دل نہ گوارا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کو پورا یقین تھا۔ کہ ہو نہو اس میں روپیہ ہے جس کو کوئی کنجوس اس جگہ دفن کر کے اس کی رہائی کا باعث ہوا ہے۔ اس نے کچھ سوچا اور آخر کار چور اور گنہگار بننا منظور کیا مگر یہ نہ منظور کیا کہ اگر اس میں کچھ مال و زر ہو۔ تو وہ اس ظالم کے ہاتھ لگے جس نے اسکو زندگی سے بیزار کر دیا تھا۔ جب اس نے یہ طے کر لیا تو ڈرتے ڈرتے کہ کوئی دیکھ نہ لے اس تنگ غار کے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ میں ایک پرانے زمانہ کے قبرستان میں ہوں جہاں دور تک شکستہ قبروں کا سلسلہ چلا گیا ہے سورج چھپ چکا تھا اور شام ہو گئی تھی۔

(۳)

جب دھندلکا سا ہو گیا۔ اور اس جگہ اس کو خوف معلوم ہونے لگا۔ تو وہ اس غار سے نکلی۔ وہ کچھ ڈر سی گئی۔ کیونکہ وہ بڑی سی شکستہ قبر میں سے نکلی

تھی۔ جو اوپر سے ثابت تھی۔ چاروں طرف شکستہ اور پرانی قبریں نظر آرہی تھیں۔ اور عجیب خوفناک منظر تھا۔ مگر یہ سب اس مقام سے زیادہ خوفناک نہ تھا۔ جہاں اس کو اس ظالم سے دوبارہ سابقہ پڑنیکا اندیشہ تھا۔ دراصل یہ اُس ظالم کا ڈر ہی تھا جو اس جھٹپٹے وقت میں اس کو اس قبرستان میں کسی نامعلوم سمت میں لئے جارہا تھا ورنہ وہ سہم کر بے ہوش ہوگئی ہوتی۔ دور دور سناٹا تھا اور ایک متنفس بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ اب کچھ نڈر سی تھی۔ کیوں کہ موت کی خواہاں تھی۔ وہ تیزی سے اس مقام سے دور ہونا چاہتی تھی نہ اس وجہ سے کہ وہ مُردوں کے مسکن میں تھی۔ بلکہ وہاں وہ خوفناک اور تاریک تھا۔ وہ اسی طرح تیزی سے چلی گئی۔ اس کی آنکھیں کسی خاص چیز کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے ایک بڑے کنوئیں کی چبوتری دیکھی۔ وہ تیزی سے دوڑکر وہاں پہنچی۔ یہ پرانے زمانہ کا معلوم کن وقتوں کا ایک زبردست کنواں تھا۔ اس نے جھانک کر کنوئیں کے اندر عمر میں پہلی مرتبہ ۔ ۔ ۔ دیکھا۔ اور اندر کی سیاہی دیکھ کر اس کا دل کانپ گیا۔ مرنا کوئی آسان بات نہیں ہے اور پھر اُس کے لئے جو جوان اور تندرست ہو۔ اس نے اپنے آپ کو عجیب کشمکش و پیچ میں پایا۔ اُس کو اپنی جوانی کا خیال آیا۔ اور ساتھ ہی اصغر کا خیال آیا۔ بس دل ہی تو مل کر رہ گئی۔ وہ کوشش کرکے اُس سے ضرور مل سکتی تھی۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا "نہیں نہیں میں اب کبھی اصغر کو منہ نہ دکھاؤں گی" تو پھر آخر کیا ہوگا۔ دنیا اس کے لئے تو اندھیری ہوگئی۔ اس کے لئے مرنا ہی بہتر ہے اور یہ طے کرکے

اس نے اس صندوقچی کو کنوئیں میں پھینک دیا۔ اس کے گرنے کی صدائے بازگشت ابھی گم نہ ہوئی تھی کہ سامنے سے کوئی آدمی اندھیرے میں آتا معلوم ہوا وہ سہم سی گئی۔ اور اس نے جلدی سے اس طرح گریان و بریاں اپنے کو اس خوفناک کنوئیں میں ڈال دیا۔

ایک چھپاکا ہوا اور وہ تہ آب تک چلی گئی۔ کہ اس کو پانی نے اوپر پھینکا اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کپڑوں میں الجھ گئے تھے۔ مگر اس نے بے اختیاری کے عالم میں زور سے چلا کر ہاتھ پاؤں مارے کیونکہ اس کو دراصل اب معلوم ہوا کہ مرنا کیسا ہے مگر اس کی چیخ کو پانی کے ریلے نے خاموش کر دیا۔ اور وہ تھوڑی ہی دیر کی کشمکش کے بعد ایک بےخبری کے عالم میں ڈوب گئی۔

(۴)

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو حسین بخش کے گھر میں ایک چارپائی پر پڑا پایا۔ اور تیمارداری کے لئے اُس کی بہن تھی۔ اس نے وہاں ہر طرح کا آرام پایا۔ حسین بخش جب سے یہ آئی تھی۔ چپکے سے گھر میں آتا اور اسی طرح چلا جاتا۔ سوا سات مہینے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا۔

حسین بخش نے جب سے اب تک اس کو اچھی طرح رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ فلک کی ستائی ہوئی ہے۔ اور مظلوم ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت غمگین اور اداس رہتی تھی۔ اور اس کی بہن ہر طرح اس کا غم دور کرنے کی ناکام کوشش کر چکی تھی لیکن پھر بھی حسین بخش کو پوری امید تھی۔ کہ کبھی نہ کبھی تو اس کا غم دور ہوگا۔ اور تب یہ میری گھر والی بن کر رہیگی۔ وہ اپنی بہن کے ذریعہ سے کئی مرتبہ عندیہ لے چکا تھا۔

اور ہر مرتبہ معصومہ کو اپنی راہ پر پہنچتے پایا تھا۔ کہ وہ اسی طرح زندگی بسر کر دے گی وہ جانتی تھی کہ حسین بخش کے دل کی حالت کیا ہے وہ غلاموں کی طرح اسکی خدمت کرتا تھا۔ اور معصومہ کو بھی اس سے وہ محبت ہو گئی تھی۔ جس کو برادرانہ کہتے ہیں۔ اس کا منہ اس کو بھائی بھائی کہتے سوکھتا تھا۔ اور نہ وہ اس سے بیحد ہمدردی رکھتی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس کو کنوئیں سے نکالا تھا۔

قصہ مختصر وہ اس وقت تک حسین بخش کے یہاں تھی اور اس وقت وہ حسین بخش کے ساتھ ریل میں اس کے کچھ عزیزوں سے مل کر آ رہی تھی۔ کیونکہ حسین بخش اس کو گھر پر بالکل تنہا چھوڑ کر کہیں باہر جا سکتا تھا۔ کہ قسمت سے اصغر اور ہم مل گئے۔

(۵)

اصغر کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ معصومہ تصویر غم بنی زمین پر بیٹھی ہے۔ وہ ایک سوسی کا پاجامہ پہنے تھی۔ اور ایک میلا سا سفید چادرا پاؤں میں جو ٹخنے تک تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری تھا۔ جیسے ہی اس نے اپنی آنکھیں پونچھ کر اصغر کی طرف دیکھا۔ تو اصغر کے دل پر ایک چوٹ لگی اور وہ بیتاب ہو کر اس کی طرف لپکے۔ کیونکہ واقعی اصغر کی محبت معصومہ سے عشق کا درجہ رکھتی تھی۔

"خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ الگ الگ"۔ معصومہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا اصغر ایک دم سے اس غیر معمولی برتاؤ کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ کیونکہ

وہ تو یہ سمجھے تھے۔ کہ وہ مجھے دیکھتے ہی لپٹ کر بے ہوش ہو جائے گی۔ اس کے منہ سے ایک دم سے نکلا "معصومہ" اور یہ کہہ کر وہ پھر پڑ ہا کہ پھر معصومہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا "الگ۔ الگ خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا"

اصغر نے متعجب ہو کر کہا "یہ کیوں"

معصومہ نے ٹھنڈی سانس بھر کے اصغر کی طرف عجیب طرح دیکھا۔ اور کہا "افسوس میں تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ اور یہ محض اتفاق تھا کہ....."

"ورنہ" اصغر نے کہا۔

"میں عمر بھر تمہیں منہ نہ دکھاتی" معصومہ نے کہا "یہ بچہ تمہارا ہے تم اسے لیلو۔ اور میرا قصہ پورا سن لو۔ اس کے بعد طے کرنا کہ میں تمہارے کام کی ہوں یا نہیں"

اصغر کو حقیقت کا شبہ ہونے لگا اور اس نے رکتے رکتے کہا "مگر مجھ سے تو کہا گیا ہے کہ حسین بخش۔ حسین بخش....."

"وہ میرے سگے بھائی کے برابر ہے" معصومہ نے کہا۔

کچھ خوش ہو کر اصغر نے کہا "تو پھر کیا؟"

"پہلے میرا قصہ سن لو" معصومہ نے کہا "جلدی نہ کرو"

یہ کہہ کر اس نے اپنی دل ہلا دینے والی داستان رو رو کر بیان کرنا شروع کی اور بے کم و کاست شروع سے لے کر آخر تک پورا قصہ من و عن سنا دیا۔

اصغر کے اوپر کمزوری نے غلبہ کیا اور وہ نظر نیچی کئے ہوئے سوچ رہا تھا اس کے دل کا تمام جوش الفت کافور تھا

"میرے مالک میرے اوپر رحم کرو" یہ کہہ کر معصومہ اٹھ کر آئی اور اس نے اصغر کے پاؤں پکڑ لئے اصغر کو مطلق جنبش نہ ہوئی۔ کہ اس نے کہا "مجھ کو لومڑی کی طرح ایک کونہ میں پڑا رہنے دینا اور میں اپنی بقیہ ذلیل زندگی تمہارے قدموں ہی میں کاٹ دوں گی۔ تم کوئی دوسری شادی کر لینا"

اسی طرح گڑگڑا کر نہ معلوم کیا کہتی رہی۔ کہ اصغر نے غور سے پھر معصومہ کو دیکھا اور کچھ سوچ کر پوچھا "تم نے پھر مجھ کو کوئی خط بھی نہ لکھا۔ اگر چاہتیں۔ تو خط لکھ سکتی تھیں"

اگر میں چاہتی تو بجائے تہ خانہ سے نکل کر کنوئیں میں گرنے کے تمہارے پاس آنے کی کوشش بھی کر سکتی۔ اور عجب نہیں کہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتی اور پھر اگر چاہتی تو تم سے اپنی ذلت کو چھپا بھی سکتی تھی۔ اور جھوٹ بھی بول سکتی تھی" معصومہ نے روتے ہوئے کہا۔ اس جملہ نے اصغر پر عجیب ہی اثر کیا۔ کیا یہ واقعہ نہ تھا۔ کہ اگر وہ اس سے کچھ نہ کہتی تو اس کو اس کی ذلت کا علم بھی نہ ہوتا خدا کی قدرت کہ اصغر ایسی شخصیت میں پرانے فلسفہ پر اسلامی فلسفہ عصمت وعفت غالب آیا۔ اور اس نے کچھ غور کر کے کہا "معصومہ" وہ چپ ہو گیا اور پھر بولا۔ تمہاری اس میں ذرہ بھر خطا نہیں۔ دراصل مجھ کو آج نہیں بلکہ ابھی معلوم ہوا کہ دراصل پاک اور معصوم وہ ہے کہ جس کا دل تمام گندگی سے پاک ہے خواہ اسکا جسم گندہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ جسکا جسم پاک ہے مگر دل اور روح پاک نہیں۔ وہ دراصل کسی طرح بھی پاک نہیں تیرے اوپر اگر کسی ملعون نے خیانت ڈالدی تو تو نے اسکو اپنا گلا گھونٹ کر اور کنوئیں

میں گر کر دھو ڈالا اور اب تک ہو رہی ہے اگر تو چاہتی۔ تو بیشک مجھ کو اپنی مصیبت کا علم ہی نہ ہوتا اور وہ دراصل بہت ہی بُرا ہوتا مگر چونکہ تو پاک اور عفت سے اور معصوم اور سچی ہے لہذا تو نے سچ بولا۔ میں ہرگز بغیر ایسی بیوی کے زندہ نہیں رہ سکتا!"

جملہ مشکل سے پورا ہوا تھا کہ معصومہ کے منہ سے ایک خوشی کی چیخ نکلی اور وہ وہیں اصغر کے قدموں میں بیہوش ہو کر گر گئی۔ اصغر نے اٹھا کر اپنی عصمت مآب اور سچی بیوی کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

ہم الگ کمرہ میں بیٹھے تھے۔ اور سمجھے تھے کہ چاندنی اندر زنانخانہ میں گئی ہے کہ وہ آنکھوں سے آنسو پونچھتی ہوئی آئی۔ ہم نے کہا ارے یہ تجھے کیا ہوا تو اس نے اپنی چوری کا قصہ سنایا کہ کس طرح وہ بے ایمانی سے میاں بیوی کی ملاقات دیکھ اور سن رہی تھی۔ ہم نے اس کی اس کمزوری اور چوری پر اسکو بہت کچھ برا بھلا کہا۔ مگر وہ تو اب سن آئی تھی۔ اور خدا کو یونہی منظور تھا کہ یہ قصہ مرتب ہو کر باعث عبرت ہو۔

(۶)

حسین بخش غریب اب بھی خوش تھا اور دراصل اسکو حقیقی خوشی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ شریف دل تھا۔ معصومہ نے اسکو اس کی خدمت کا یہ صلہ دیا کہ جس طرح اسکو بھائی کہتی آئی تھی۔ اسی طرح اسکو بھائی ہمیشہ کیلئے سمجھا۔ مگر اس کو ایسی صندوقچی کا پتہ دیا۔ جو اب تک اسی کنوئیں کی تہ میں پڑی تھی۔

جس میں سے اس نے معصومہ کو اپنی جان پر کھیل کر نکالا تھا۔ اس صندوقچی کو اب تک معصومہ ایک امانت سمجھا کی تھی۔ لیکن اب اس کو اسی طرح پڑا رہنے دینا بیکار معلوم ہوا۔ اُس میں سے ساڑھے چار ہزار کی قیمت کی بہادرشاہی مہریں نکلیں۔ جو حسین بخش کی محبت اور خدمت کا بہترین صلہ تھیں۔

برا وقت کسی پر کہہ کر نہیں آتا۔ اس دنیا کی جدوجہد میں کمزور اور بے بس ہونا کوئی قابل تعریف صفت نہیں۔ ہر مذہب اور معاشرت نے شرم و حیا اور پردہ کا کوئی نہ کوئی درجہ مقرر کر دیا ہے اور اس میں مبالغہ کرنا ممکن ہے کہ کسیطرح مفید ہو مگر خطرناک ضرور ہے۔ ایسی بے بس عورتیں دراصل نہ تو شوہر کی کچھ خدمت کر سکتی ہیں۔ اور نہ مذہب اور قوم کی کیا ضرورت کے وقت معصومہ کی سی ہی عورتیں پردہ سے نکل کر تلوار چلائیں گی؟ کیا ہم ایسی ہی عورتوں کے بل بوتے پر آزادی لینگے۔ کیا ایسی ہی عورتیں ٹرکی یا ریف میں رہتی ہیں۔ جنہوں نے موقعہ پر مردوں سے کہا کہ جاؤ تم میدان جنگ کو سدھارو اور دنیا کے کام ہم سنبھالتے ہیں اور وقت پڑے تو ہمیں بلا لینا ہم تمہارے پہلو بہ پہلو دشمن کی گولیوں کا سامنا بھی کرینگے۔ ان عورتوں نے جو کہا وہ کیا اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو ہماری غلامی کا سب سے بڑا ہی راز ہے پردہ کرنے کو اور برقعہ پہننے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ مگر خدا کے واسطے عورتوں کی بے کسی اور بے بسی پر رحم کر کے ان کو ملک اور قوم کے لئے کارآمد بناؤ۔

چھٹا باب

دوست کی حماقت

ہمارے پرانے اور لنگوٹیا یار صرف دو تین ہی تھے۔ ان میں سے ایک تو حامد تھے جن کے شہر میں ہم رہ آئے تھے۔ اور ایک کامل تھے۔ قسمت کی خوبی کہ اب ان کا ساتھ ہوا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں ان سے کتنی محبت تھی۔ اور جب ہم ان کے وطن میں آئے۔ تو انہوں نے حامد سے بھی زیادہ ہماری اور چاندنی کی خاطر مدارت کی۔ حامد کی طرح یہ بھی رئیس زادہ تھے۔ مگر ان کے والد صاحب زندہ تھے۔ حامد میں اور ان میں اگر کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ حامد کو سیر و شکار کا شوق تھا۔ اور اپنی جائداد کا وہ خود انتظام کرتا تھا۔ اور ایل ایل۔ بی میں اگر فیل نہ ہو جاتا۔ تو شاید وکالت کرتا ہوتا۔ مگر ارادہ ضرور تھا کہ پھر امتحان دے لیکن کامل نے انٹرنس پاس کر کے ہی پڑھنا چھوڑ چھاڑ دیا تھا۔ اور ان کو اپنی جائداد وغیرہ کے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر ہمارے تعلقات دونوں سے ایک سے تھے جس طرح حامد ہمارے اور ہماری بیوی کے لئے ایک لازمی چیز تھے۔ اسی طرح کامل بھی تھے جب سے ہم آئے تھے۔ ہمیں اور چاندنی دونوں کو انہوں [illegible] کلفت

ہی نہ آتا تھا۔ ہم کلب جایا کرتے تھے۔ اور کامل ہماری چاندنی کو اپنی موٹر میں بٹھا کر اپنی بہنوں کے ساتھ ہوا کھلانے لے جاتے تھے۔ کبھی اپنی بہنوں کو بٹھا کر ہمارے یہاں آتے اور چاندنی ساتھ ہو جاتی اور کبھی چاندنی کو گھر لے جاتے۔ اور وہاں سے اپنی بہنوں کو لے لیتے۔

(۱)

کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ آدمی کی پہچان برتنے سے معلوم ہوتی ہے ہمیں کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ کامل کے مزاج میں بدنظمی اور آوارگی ہے ہمیں یہ سنکر افسوس ضرور ہوا مگر ہم نے کبھی اس کا اظہار نہ کیا۔ دراصل ہمیں کبھی کچھ خیال بھی نہ ہوا۔ اور ہم نے کبھی چاندنی سے یہ بھی نہ پوچھا۔ کہ تو کہاں جا رہی ہے۔

ہماری معلومات میں اس بات سے اضافہ ہوئے زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ ایک روز چاندنی نے کامل کے ذکر پر محض تذکرتاً ہی کہا کہ "کامل صاحب کچھ اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ اور مجھے ان کے ساتھ ہوا خوری کرنے جانا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا"

ہم نے بھی برسبیل تذکرہ ان کے چال چلن کو مدنظر رکھتے ہوئے چاندنی کی تائید کی مگر یہ ضرور پوچھا کہ تم نے آخر ان کے چال چلن کے متعلق کس سے سنا "وہ مجھ سے ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اور بے تکلف بھی بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ جو مجھ کو پسند نہیں"

ہم نے کہا "تو آخر تم سے حامد سے بھی تو بے تکلفی تھی۔ کیا وہ تم سے دلچسپی نہیں لیتے تھے"

حامد بھائی سا تو آدمی دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ سب کچھ تھا۔ مگر انہوں نے تنہائی میں میری طرف نظر کر کے دیکھنا بھی گناہ سمجھا۔ ان کی بے تکلفی اور کامل صاحب کی بے تکلفی میں بہت فرق ہے۔ ہم نے پوچھا آخر وہ کیا فرق ہے۔

چاندنی نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر ایسا فرق ہے۔ کہ میری طبیعت ان کی طرف سے کند رہتی ہے۔"

ہم نے کہا کہ تم کو اس بات کا احساس آج ہوا ہوگا۔ مگر مجھ کو شاید کچھ پہلے سے شبہ ہے۔ کہ وہ میری وجہ سے تم سے نہیں ملتے۔ بلکہ دراصل تمہاری وجہ سے مجھ سے ملتے ہیں۔ میں خود اس خیال میں ہوں کہ تمہارا ملنا جلنا ان سے کم ہو جائے تو اچھا ہے۔"

چاندنی کو اپنے شبہ کی تصدیق ہوئی۔ اور وہ متعجب ہو کر بولی: "سچ ہے میں ان کو کبھی ایسا نہ خیال کرتی تھی۔"

وہ دراصل بدتمیز اور آوارہ ہیں۔ اور تمہارا ملنا جلنا ان سے کسی طرح ٹھیک نہیں۔ یہ سنکر چاندنی غصہ میں چمک اٹھی اور کہنے لگی "معاف کیجئے۔ ان کی آوارگی شہر کی بدبودار گلیوں ہی تک ہوگی۔ میرا وہ کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

"تو سچ کہتی ہے" ہم نے دل میں خوش ہو کر کہا۔ مگر خراب آدمی سے دور ہی رہنا چاہیے۔

وہ دن بھول گئے۔ جو کہتے تھے کہ بُری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ چاندنی نے پرانی باتوں کو یاد دلایا۔ ہم نے کہا "تم جانو ہم تمکو منع تھوڑی ہی کرتے ہیں۔"

"تم منع کر دو تو میں ہرگز اُن سے نہ ملوں" اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اور اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ٹھیک ہی تو کر دوں"۔ "اس سے کیا مطلب" بینے پوچھا
"اگر وہ واقعی ذرا بھی آوارہ ہیں تو تم اسے بدستور ملنے دو۔ اگر ذرا بھی کچھ غلط راہ پر آئیں گے وہ منہ کی کھائیں گی۔ کہ عمر بھر نہ بھولیں گے"

ہم چپ ہو رہے ہم جانتے تھے کہ یہ رواداری بالکل غلط اصول پر مبنی ہے۔ مگر ہم چاندنی کی محبت اور وفاداری کا اسی طرح بہترین خراج ادا کرنا تصور کرتے تھے۔ کہ عام اصول سے کنارہ کشی کرتے ہوئے بالکل پریشان نہ ہوں۔ خدا جانے انگلستان کے مشہور شاعر (Milton) نے اپنے مشہور و معروف ڈرامہ (Comus) میں کہاں کی زبان استعمال کی ہے۔ کہ ہماری تو روح تک ہمیشہ کے لئے اس کے پڑھنے سے پاک ہو گئی ہے۔ وجہ اس کی شاید یہ ہے کہ اس حسین و جمیل شاعر کا سا چال چلن شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو جس کی نیک عملی کی دمک اس کی شاعری کے لفظ لفظ سے عیاں ہے ہمارے کانوں میں اس وقت وہ لفظ گونج رہے تھے۔ جو اس ڈرامہ میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے۔ بہن کے کھو جانے پر کہے تھے۔ "ہماری بہن ہر قسم کے آسیب سے محفوظ ہے۔ کیونکہ تمام تاریکی کی نجاست اس کی عصمت و عفت کی روشنی کے آگے کوئی چیز نہیں۔ اس کے پاس عصمت کی سپر ہے۔ جو وہ چیز ہے۔ کہ اگر کی نگاہ عفت شیطان پر پڑ جائے تو وہ فرشتہ ہو جائے۔ اور اگر غصہ ہو کر پتھر پر وہ نظر پڑے۔ تو غرق ہو جائے۔ اور اگر فولاد پر پڑے تو وہ موم ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ" بدقسمتی

یا خوش قسمتی سے یہی ہمارا مذہب تھا۔ اور اب بھی ہے ہم جانتے تھے کہ چاندنی اور ہم دراصل یک جان دو قالب ہیں۔ اور ہماری سمجھ ہی میں آنا ناممکن تھا۔ کہ پھر بھی ہمیں دنیاداری برتنا چاہیئے۔ اور ان اصول سے گریز کرنا چاہیئے۔ جو ہر صورت میں لازمی نہیں۔ ہمارا ایمان ہمیشہ سے یہی ہے کہ ہم دونوں کے ایمان شکست ہونے سے پہلے خود ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ دراصل یہی اعتقاد تھا۔ جس نے ہمارے عقیدہ میں پائیداری پیدا کی تھی۔

(۲)

جس کا ہمیں اندیشہ تھا۔ وہی ظہور میں آیا۔ ہم پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے۔ کہ کامل کوئی نہ کوئی حماقت ضرور کریں گے۔ انہوں نے مذاق ہی مذاق میں چاندنی کو گود میں لے کر موٹر میں بٹھا دیا۔ اور جب دیکھا کہ چاندنی نے تحمل سے کام لیا تو راستہ میں لغو بیانی بھی کی۔ وہ دراصل اس لائق ہی نہ تھے۔ کہ ان سے کسی دوست کی بیوی ملے۔ دراصل ہمیں معاملات کو یہیں روک دینا چاہیئے تھا۔ مگر ہم نے غلطی کی۔ اور عام اصول سے بھٹک کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس کی وجہ ہم بیان ہی کر چکے ہیں۔ مگر ایک اور وجہ پیش آئی۔ کیونکہ اب چاندنی دانت پیس رہی تھی کہ مزہ چکھا دوں گی اور ہم بھی چاہتے تھے۔ کہ کچھ خود لے اور کچھ خود میاں کامل کو تجربہ حاصل ہو۔ ہمیں اب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خطرناک جوا کھیل رہے تھے۔

"کل دوپہر کو جب تم کچہری ہو گئے۔ تو انہوں نے آنیکو کہا ہے" سر ملا کر وہ بولی۔ اور پھر مسکرانے لگی اور کہا۔ دیکھتا ہوں کہ اسکی آنکھوں سے شرارت عیاں تھی۔ اور وہ کچھ سوچ چکی تھی۔

تو کیا کرے گی۔ ہمیں بتا تو سہی" ہم نے پوچھا۔

دیکھا جائے گا۔ مگر تم یہاں کچہری سے ضرور بر ضرور ٹھیک ڈیڑھ بجے پہنچ جانا۔ آدھے دن کی چھٹی ہی سہی۔ خود ہی انہوں نے آنے کو کہا ہے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اتنا جانتی ہوں کہ وہ ضرور آئیں گے

ہمارے دوست کامل ٹھیک ایک بجے ہمارے مکان پر پہنچے۔ وہ آکر ملنے کے کمرہ میں بیٹھے ہماری شریر بیوی نے قصداً بیس منٹ آنے ہی میں لگا دیئے۔ وہ سر میں ایک رومال اس طرح باندھ کر آئی کہ جیسے سر میں درد ہے۔ اور منہ بھی ویسا ہی بنایا۔ کامل نے اٹھ کر سلام علیک کے بعد مصافحہ کیا اور مزاج پوچھا۔ معلوم ہوا کہ سر میں درد ہے تو کہنے لگے۔ کہ لائیے میں سر دبا دوں" یہ کہا ہی نہیں۔ بلکہ اٹھ کر سر دبانے کی سخت آمادگی ظاہر کی۔ چاندنی کی روح سنک گئی۔ اور یہ حرکت ان کو بہت ہی بری معلوم ہوئی۔ مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور شکریہ ادا کر کے کہا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ آخر کو کامل صاحب وہ کر گذرے جس کے لئے وہ آئے تھے باتوں ہی باتوں میں چاندنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولے کیا کہوں بغیر آپ کی رفاقت کے میرا جی ہی نہیں لگتا۔ چاندنی نے ہاتھ تو اپنا کھجانے کے بہانہ سے چھڑا لیا۔ اور پھر نہایت ہی سادگی سے کہا ملنے جلنے سے مناسبت ہو ہی جاتی ہے۔ مجھ کو خود آپ کے اخلاق حمیدہ بہت پسند ہیں۔

اتنا کہنا تھا۔ کہ کامل صاحب نے زیادہ صاف ہو کر کہا۔ مجھے آپ سے

بہت محبت ہے۔"

چاندنی چونکہ ان خرافات کی منتظر ہی تھی۔ لہٰذا اس کو اس پر کچھ تعجب نہ ہوا۔ اس نے نہایت ہی سادہ لوحی سے کہا! "بہت کم دل ہیں جن میں یہ جذبات ہوں۔ واقعی یہ دل ہی کیا جس میں خدا کی محبت نہ ہو۔ باپ کی محبت نہ ہو۔ یا بہنوں کی محبت نہ ہو یا دوست کی محبت نہ ہو۔ دراصل محبت والفت میں حسب مراتب سبھی حصہ ہے۔

کامل میدان حماقت میں اس طرح گامزن ہوئے۔ "آپ غلطی پر ہیں۔ اس دل میں سوا آپ کی محبت کے اور کسی کی محبت نہیں۔

معلوم کیا غلط فہمی ہوئی ملازم کی آواز سنکر "میں ابھی حاضر ہوئی" کہہ کر باہر آئی اور نہایت ہی تصنع کے ساتھ گھبرا کر کمرہ میں واپس آئی۔ اور راز کے لہجہ میں کامل سے کہا۔ "وہ آگئے جلدی کیجئے۔ غسل خانہ میں" اسطرح گھبراہٹ اور جلدی کے لہجہ میں اس نے یہ پارٹ کیا کہ جیسے ہی کامل کا ہاتھ پکڑ کر اسنے غسل خانہ کا دروازہ بتایا۔ وہ بغیر کچھ سمجھے سوچے اس میں داخل ہو گئے اور اس کا باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

دراصل دیکھا جائے تو حامد کو چھپنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ ان کا خود ارادہ ہوگا۔ مگر چونکہ دل میں چور تھا۔ لہٰذا اسی بوکھلاہٹ میں قید ہو گئے۔

ہم کمرے میں آئے۔ موٹر باہر دیکھ ہی چکے تھے۔ اپنی شریر بیوی کو مسکراتے ہوئے پایا ہم نے کوٹ اتار کر پوچھا کہ ہمارے دوست کہاں ہیں۔

چاندنی نے مسکرا کر کہا "آپ ہیں" اور غسل خانہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لیا۔ ہم دونوں دبے پاؤں ملنے والے کمرہ سے ہو کر غسل خانہ کے پاس پہنچے۔ چاندنی نے آہستہ سے غسل خانہ کے دروازہ پر انگلی ماری اور دبی آواز سے کامل کو پکارا انہوں نے جواب دیا۔ تو اُن سے کہا کہ "میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ نے شوفر کو موٹر دے کر مجھے لینے بھیجا تھا۔ مگر موٹر بگڑ جانے کی وجہ سے وہ چلا گیا۔ اور ابھی تک واپس نہیں آیا ہے"۔ کامل نے اس بہانہ کو پسند کیا اور پھر ہمارے قبل از وقت چلے آنے کی وجہ دریافت کی۔ جسکا جواب چاندنی نے یہ دیا۔ کہ "میرے درد سر کی وجہ سے چلے آئے"۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ لغویات بکنا شروع کیں۔ تو وہ غسل خانہ میں تکلیف دہی کی معافی مانگنے لگی۔ جسکا جواب کامل نے دیا کہ ان کو اسی میں عین راحت ہے۔ ہم دونوں ہنستے ہوئے چلے آئے اب ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ان کو بھلا کب تک قید رکھا جائیگا

(۳)

چاندنی نے بالتفصیل کامل کی حماقتوں کا تذکرہ کیا۔ تیسرے پہر دیر تک ہم باتیں کیا کئے۔ چائے تیار ہوئی تو چاندنی نے ایک چائے کی پیالی کامل صاحب کو غسل خانہ میں پہنچائی۔ انہوں نے شکریہ کا جب پل باندھ دیا اور لغویات شروع کیں تو اس نے ایک کاغذ اور پنسل دے کر کہا کہ "اپنے شوفر کو لکھ دیجئے کہ آپ کے دوست کو ہوا خوری کے لئے لے جائے میں نے کہہ دیا ہے کہ میں آج کہیں نہ جاؤں گی"۔ ظاہر ہے کہ کامل صاحب نے اس سے کیا مطلب لیا ہوگا۔

آدھ گھنٹہ بھر بعد شوفر آ گیا اور ہم اور چاندنی کامل کو غسل خانہ میں بند چھوڑ

کر ان کے موٹر پر ہوا کھانے چلدئے۔ شام کو جب واپس آئے تو سیدھے غسل خانہ پر پہنچے۔ کامل کو چاندنی نے متوجہ کرکے کہا "معاف کیجیئے گا۔ میں آپ کو اس قید خانہ میں چھوڑ کر جانے پر مجبور ہوں کیونکہ مجھے مجبوراً اٹھانا پڑا۔"

کامل نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں مگر اب میرا جی گھبرا گیا ہے۔ دوپہر سے بند ہوں۔ اچھا سچ بتائیے گا کہ آپ کو آج کی ہوا خوری میں لطف زیادہ آیا۔ یا میرے ساتھ زیادہ لطف آتا ہے۔"

چاندنی نے از راہ شرارت مگر نہایت ہی ایمانداری سے کہا "خدا بہتر جانتا ہے۔" اور یہ کہہ کر کہا۔ کہ "میں دروازہ کھولے دیتی ہوں۔ آپ چپکے سے نکل جائیے گا آپکا موٹر اس طرف کھڑا ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ مگر یہ تو بتائیے کہ کیا میں کل دوپہر کو آؤں۔" کامل نے پوچھا۔

"کل شام کو تشریف لائیے گا۔ میں آپ کی بہن سے وعدہ کرچکی ہوں۔"

ہم نے کمرہ سے دیکھا کہ کامل غسل خانہ سے پھرتی سے نکلے۔ ہم کمرہ کمرہ ہوکر پیشتر ہی سے موٹر کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ہمیں دیکھ کر وہ کچھ جھجک سے گئے مگر فوراً بولے۔ "واہ تم اوپر ہو میں تو تم کو ادھر سے دیکھ کر آرہا ہوں۔" کہنے لگے۔ کہ "ابھی ابھی کلب سے آرہا ہوں۔" ہم نے بھی چاندنی کے جھوٹے درد سر کا بہانہ کیا اور موٹر کا شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں اپنے ساتھ واپس کمرہ میں لائے۔

ہم نے چاندنی کو آواز دے کر بلایا۔ کہ "دیکھو کامل تمہاری مزاج پرسی کرتے ہیں۔" نئے سرے سے چاندنی سے ان سے سلام علیک ہوئی اور مزاج پرسی کی گئی۔ بمشکل ہم نے ہنسی ضبط کی۔ ہم غسل خانہ میں ہاتھ دھونے کے بہانہ سے گئے

اور چائے کی پیالی کمرہ میں لائے۔ اور چاندنی کو دکھا کر کہا۔ آخر یہ پیالی وہاں کیوں کر پہنچی ؟ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ یہ پیالی تو وہاں کئی روز سے رکھی ہوئی ہے اور گواہی میں کامل صاحب کو بھی پیش کر دیا کہ یہ تو روزانہ آتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی ہونگے ان حضرت نے فوراً جھوٹی شہادت دی۔ ہم نے تازہ چائے کی پتیوں کا چورا اور دس بیس بوندیں چائے کی دونوں کو دکھا کر کہا کہ خوب چوروں کے گواہ گرہ کٹ یہ تو آج کی معلوم ہوتی ہے۔ کامل کچھ سٹ پٹا سے گئے اور ہم نے دیکھا کہ ان کا چہرہ فق سا ہو گیا۔

چاندنی نے قصہ یوں ختم کیا کہ آپ کو کیا جس کا جی چاہے غسل خانہ میں پئے۔ جس کا جی چاہے۔ میز پر پئے "

تھوڑی دیر بعد کامل چلے گئے۔ مگر اس چائے کی پیالی کے اختتام سے تمنا اطمینان انہیں ہوا دیکھنے کے قابل تھا۔

دوسرے روز ہم شام کو کلب سے آئے اور کپڑے وغیرہ اتار کر چاندنی کا انتظار کرنے لگے۔ جو کامل کی بہن سے ملنے گئی تھی۔ ہم نے اس کو بہت کچھ منع کیا تھا۔ کہ اب تو اس طرح نہ جا مگر وہ کہتی تھی۔ کہ تم اب بننے دو۔

اتنے میں موٹر کی آواز آئی۔ جو سیدھی کمرہ کے سامنے آکر رکی۔ ہم نے دیکھا کہ بجائے انتظار کرنے کے کہ ہم یا کامل موٹر کی کھڑکی کھولیں۔ چاندنی فوراً کھڑکی کھول کر تیزی سے خود ہی اتر پڑی۔ کامل نے موٹر کا انجن چلتا رکھا تھا۔ انہوں نے اس کو موڑا اور ہمیں زور سے پکار کر گڈ نائٹ کہا " اور موٹر یہ جا وہ جا۔

چاندنی کمرہ میں آئی اور ہم پوچھنے ہی کو تھے کہ کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔ کہ اس کا چہرہ غصہ سے لال دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہم سمجھ گئے اور ہم نے غور سے چہرہ کو دیکھ کر ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ اور پھر کہا "اچھا ہوا تیری شرارتوں کی یہی سزا ہے۔ یہ کہہ کر ہم نے چھیڑنے کے لئے کندھا ہلا کر پوچھا۔ کہو دوست پھر جاؤ گے۔"؟

"مان جاؤ" یہ کہہ کر چاندنی نے ہمارا ہاتھ جھٹک دیا۔ ہمیں بڑا غصہ آرہا ہے ہم نے پھر ہنس کر کہا۔ ہم نہ کہتے تھے کہ شرارتیں چھوڑ دو" یہ کہہ کر پھر کندھا ہلا کر کہا "کچھ تو بتاؤ دوست آخر کیا ہوا"؟

دانت پیس کر اور مٹھی بھینچ کر اس نے جل کر کہا "جب تک میں اس کمینہ سے بدلہ نہ لیلونگی مجھے چین نہ پڑے گا میں ہرگز اس سے ملنا نہ چھوڑونگی۔

ہم نے پھر کہا "بتاؤ دوست کیسی گذری"؟

"مان جاؤ" اس نے تنک کر کہا "ہم نہیں بتاتے۔

"اچھا ہم کسی سے نہ کہیں گے۔ تم ہمارے کان میں چپکے سے کہہ دو۔ یہ کہہ کر ہم نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کر دیا۔

چاندنی کا غصہ فوجکر ہو گیا۔ اور اسے ہنسی آگئی۔ مگر اس نے کہا "ہم نہیں بتاتے۔ جب ہم اپنے دشمن سے بدلہ لے لیں گے تب بتائیں گے"۔

تمہیں بتانا پڑے گا۔ یہ کہہ کر ہم نے بہت کچھ کھینچا اور گھسیٹا مگر وہ یہی کہتی رہی کہ ہم نہیں بتاتے۔

ہم نے کہا "دوست تم بتاؤ یا نہ بتاؤ۔ ہم تو جان ہی گئے"۔

(۴)

بہتر ہوتا۔ اب بھی ہم معاملات کو یہیں روک دیتے۔ مگر بیوی کی محبت سے ہم مجبور تھے۔ وہ بھی کہتی تھی۔ کہ تم دیکھنا میں کیسا بدلہ لیتی ہوں!"

دوسرے روز کامل نہیں آئے۔ تیسرے روز جو آئے تو ہم بھی کاٹ گئے اور موٹر کی سیر کی۔ اب کچھ ایسا اتفاق ہوتا کہ جب شام کو بھی کامل آتے۔ تو کسی نہ کسی وجہ سے چاندنی کا اور ان کا موٹر میں ساتھ نہ ہوتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو جاتی ہم ان سے بالکل بدستور سابق ملتے جلتے تھے۔

چاندنی خاموش تھی۔ اور ان سے کسی قسم............ کی شرارت نہ کرتی تھی۔ مگر وہ منتظر تھی۔ کہ اب کامل صاحب کچھ پھر شرارت کریں تو بدلہ لوں۔

حالانکہ کامل کو اب چاندنی کے ساتھ تنہائی کا بالکل موقعہ نہ ملتا تھا۔ مگر انہوں نے اتنا کہنے کا موقعہ آسانی سے نکال لیا۔ کہ "کیا میں کل دوپہر کو آؤں؟" چاندنی نے کچھ نہ کہا انہوں نے پھر گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ اور جب اس نے پھر جواب نہ دیا۔ تو پھر کہا۔ مجبور ہو کر چاندنی نے کہا کہ موٹر پہ آئے گا۔ خوش ہو کر انہوں نے کہا کہ میں ایک بجے آؤنگا۔" یہ باتیں کر کے وہ فوراً ہی چلے گئے۔ گو کہ ہم نے ان کو روکا۔ مگر وہ نہ مانے۔

ہم سے چاندنی نے کہا کہ "تم کچہری سے کل ڈیڑھ بجے ضرور گھر پہنچ جانا۔" ہم نے کہا کہ "ہم تیری حماقتوں میں کہاں تک شرکت کریں۔ تو ان کو غسل خانہ میں بند کرے گی۔ اور ہم کو خواہ مخواہ اس قسم کی باتوں سے دلچسپی نہیں!" مگر ہم کو مجبور

ہو کر سچنیتہ وعدہ کرنا پڑا۔

دوسرے روز ہم کچہری ذرا پہلے چلے گئے۔ اب چاندنی کی کارستانی سننے ہمارے چلے جانے کے بعد معلوم کہاں سے اُس نے ایک زبردست گدھا پکڑوا منگایا۔ اس کے کان میں کیل سے ایک سوراخ کیا گیا۔ اور اس میں ایک لمبا سا تار باندھا۔ گدھے کو غسل خانہ میں لیجا کر اس طرح کھڑا کیا کہ وہ چوکی اور دیوار کے بیچ میں پھنس گیا۔ اسطرح کھڑا کر کے غسل خانہ کی موری میں سے اس تار کو نکالا جو گدھے کے کان میں بندھا تھا۔ اور تار کے سرے کو ایک کیل گاڑ کر اس سے اس طرح مضبوط باندھ دیا کہ اگر گدھا ذرا بھی جنبش کرے تو اس کو سخت تکلیف ہو۔

کامل حسب وعدہ ہمارے مکان پر ایک بجے پہنچے۔ وہ پیدل تھے۔ اور بجائے صدر دروازہ سے ان کے بنگلہ کی احاطہ والی کچی دیوار پھاند کر اس طرح آئے کہ ملازم وغیرہ کوئی ان کو آتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ وہ سیدھے سونے والے کمرہ میں گھس گئے۔ انہوں نے کمرہ خالی پایا۔ اور بیٹھ گئے۔

کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ نیند نہ آئے۔ تو ریشم کے گدوں پر اور آئے تو پھانسی کے تختہ پر۔ بعض اوقات ایسی بے موقعہ نیند آتی ہے۔ کہ تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال چاندنی کا ہوا۔ اس کو معلوم تھا۔ کہ کامل آتے ہوں گے۔ اور ان کے انتظار اور اپنی کارستانی کی سوچ میں وہ اندر والے سونے کے کمرہ کے قریب والے صوفہ پر تکیہ لگا کر لیٹ گئی۔ لیٹے لیٹے اس کو نیند آگئی۔ اور وہ سو گئی۔

یکایک اس کی کچھ آہٹ سے آنکھ جو کھلی تو اپنے منہ کے قریب کامل کا منہ پایا۔ وہ اس پر جھکے ہوئے تھے۔ بے اختیاری کے عالم میں اس کے منہ

سے ایک چیخ نکل گئی۔ اور وہ تڑپ کر اٹھی۔ کامل کچھ گھبرا گئے۔ اپنے کو بڑی مشکل سے سنبھالتے ہوئے چاندنی نے کہا "چلئے ملنے والے کمرہ میں چلئے میں ابھی آتی ہوں۔" "مگر سنیئے تو" یہ کہ کر کامل چاندنی کی طرف بڑھے۔

چاندنی نے بڑی پامردی اور ہمت سے کام لیا۔ وہ اسقدر گھبرا گئی تھی کہ سب شرارتیں بھول گئی۔ اور اسکے ہاتھ پیر پھول گئے تھے تنہا کمرہ میں جہاں کوئی گھر کا ملازم تک کبھی نہ داخل ہوتا ہو وہ ایک آوارہ اور بدچلن شخص کیساتھ تھی۔ جسکو اسنے خود اپنی شرارت کا شکار بنانے کے لئے آنے کی اجازت دی تھی۔ اُسنے کہا "میں منہ دھوکر ابھی حاضر ہوئی" یہ کہ کر وہ تیزی سے پردہ اٹھا کر نکل گئی۔ اسکا کلیجہ دھک دھک ہورہا تھا کہ کامل رک گئے اور اسکے پیچھے پیچھے نہ آئے۔

چاندنی نے منہ دھویا وہ تولیہ سے منہ پونچھ رہی تھی مگر اسکے تن بدن میں رعشہ موجود تھا۔ اور ابتک دل قابو میں نہ آیا تھا اور وہ بیحد پریشان تھی۔

اُسنے ایک گلاس سرد پانی کا پیا جس سے اُس کا دل تھما۔ دل میں وہ اپنی کمزوری پر ہنسی اور اُسنے کہا کہ وہ مردود میرا کیا کرسکتا ہے۔ وہ اب بالکل ٹھیک تھی اور بغیر کسی ڈر یا پریشانی کے ملنے والے کمرہ میں پہنچی اپنے کمرہ کے چاروں طرف دیکھا اور سب دروازے بجائے کھلے ہونے کے بند پائے کیونکہ کامل نے سب دروازے مضبوط بند کردیے تھے۔ یہ دیکھ کر اس کی ہمت اور جرأت پھر رخصت ہوتی معلوم ہوئی۔ معلوم وہ کیوں اسقدر گھبرا رہی تھی۔ اُسنے گھڑی کی طرف دیکھا تو ڈیڑھ بجنے میں آٹھ منٹ

تھے۔ اس کو کامل کے ساتھ اب اس کمرہ میں ڈر لگ رہا تھا۔ وہ کچھ ٹھٹکی۔ کہ کامل نے مسکرا کر کہا "آیئے" یہ لفظ اسوقت اُسکے کانوں پر ہتھوڑے کی چوٹ بن کر لگا۔ جس کی دھمک اسکے دل تک پہنچی اور معًا اس نے کمزوری محسوس کی۔ مگر اُسنے اپنے دل کو پھر مضبوط کیا۔ اور ایک کرسی کھسیٹ کر علیحدہ بیٹھ گئی۔ کامل نے خاموشی کو توڑا اور باتیں کرتے کرتے وہ آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ اُسکی کرسی کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت چاندنی کی عجیب حالت تھی۔ اس جانور کی مانند تھی جو شیر کو دیکھ کر ایسا بے بس ہو جاتا ہے کہ قوت رفتار کھو بیٹھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ شیر آ رہا ہے مگر جنبش نہیں کر سکتا۔ وہ خاموش تھی اور اس سے کوئی جواب ہی نہ بن پڑتا تھا۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اور ہونٹ بالکل خشک تھے جب کامل بالکل ہی قریب آگئے تو نہ معلوم کس کوشش سے اُسنے کہا۔ "پانی عنایت کیجئے گا" اور صراحی کی طرف ہاتھ اُٹھا دیا۔ کامل نے پانی دیا۔ پانی پی کر کامل کو گلاس واپس دیا۔ کامل نے دیکھا کہ چاندنی کے ہاتھ میں رعشہ ہے۔ جسکے انھوں نے شاید غلط معنے لئے اور گلاس کو میز پر رکھ کر کرسی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ چاندنی بت کی طرح خاموش تھی اور انھوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چاندنی کی جو حالت ہو گی اسکا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ ہاتھ برف کی طرح سرد تھے۔ کامل نے اور جراٴت کی اور اب وہ کرسی کے سامنے گھٹنوں کے بل اسطرح کھڑے ہو گئے کہ اُٹھنے کا راستہ رک گیا۔ اسنے ارادہ کیا کہ چیخ کر بھاگ جاؤں مگر

وہاں اب قوت گفتار یا رفتار کہاں۔ کامل کی رفتار افعال اس قدر آہستہ تھی۔ کہ کوئی بات یکایک پیش ہی نہ آرہی تھی۔ جو بجلی کی طرح گر کر اس جمود کو توڑتی اور طبیعت کی رفتار کو ہیجان میں لاکر قوت پیدا کرتی جو قریب قریب مفقود ہو چکی تھی۔ ایسے موقعہ پر اگر کسی چیز کے گرنے کا دھوکا بھی ہوتا ہے تو طبیعت کو جنبش ہو جاتی ہے۔ اور انسان اس سحر آفرین جمود سے خلاصی پا جاتا ہے

ادھر تو یہ معاملہ درپیش تھا اور اُدھر ہم پندرہ منٹ سے زاید ایک بیکار آدمی سے عینوں میں ضائع کر چکے تھے۔ ہمارے [illegible] کا وقت گذر چکا تھا۔ اور دراصل اسی وجہ سے چاندنی کی رہی سہی قوت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

کامل نے اور جرأت کی اور چاندنی کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ آہستہ آہستہ دبی زبان سے کانپتے ہوئے لہجہ میں خرافات بک رہے تھے۔ ان کو شاید نہیں معلوم تھا کہ انکی خرافات اس کے کانوں میں بے معنی الفاظ کی طرح بج رہی تھی۔ کیونکہ دراصل وہاں قوت باصرہ کے سوا شاید سب قوتیں زائل ہو چکی تھیں۔ اسکو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہ کوئی خواب گراں دیکھ رہا ہو۔ دونوں ہاتھ کامل نے آہستہ آہستہ اپنی طرف کئے اور انکو اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگایا۔ چاندنی پر اس وقت غشی کا سا عالم تھا۔ اور اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کامل اس سے بہت دور بیٹھا ہوا یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُسپر غشی کا عالم طاری ہو رہا تھا۔ اسکے بعد کامل نے چاہا کہ اس منزل میں ایک قدم اور آگے بڑھائیں۔ چاندنی کا

ہاتھ آہستہ سے چھوڑا جو بیجان ہاتھ کی طرح گر گیا۔ اپنا داہنا ہاتھ آہستہ سے چاندنی کے کندھے پر رکھا ہی تھا کہ ہم نے برابر والے کمرہ میں ... چ کر آواز دی "گل چاندنی"

ہماری آواز کیا تھی کہ دونوں پر بجلی گری۔ چاندنی کی طبیعت پر اُسنے ایک تازیانہ کا کام کیا۔ وہ بے بسی کا عالم جاتا رہا۔ حقیقت سے اپنے کو اس قدر قریب پایا کہ اُس نے زور سے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ تعجب ہے کہ وہ چیخی نہیں۔ اُسنے آہستہ مگر کانپتی ہوئی آواز میں کامل سے کہا "غسل خانہ میں غسل خانہ میں" یہ کہ کر اسنے کامل کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کامل کے خود ہوش اڑ چکے تھے۔ لپک کر اسنے دروازہ کھولا۔ کامل تیر کی طرح غسل خانہ میں گھس گئے۔ اور چاندنی نے لپک کر کنڈی کس دی

ہم اس کھڑ بڑ کو سنکر آہستہ سے میدان صاف پاکر ملنے والے کمرہ میں پہنچے۔ چاندنی کامل کو غسلخانہ میں بند کرکے واپس آرہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ چہرہ کاغذ کی طرح سفید اور متوحش ہے۔ اور صورت حیرانی کی تصویر۔ دیکھتے ہی ہماری طرف تیر کی طرح آئی اور لپٹ گئی۔ بدن کانپ رہا تھا۔ زور سے اُسنے ہمیں دبایا کہ ایکدم سے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ گردن لٹک گئی۔ ہم نے علیحدہ جو کیا تو بدن میں سکت ہی نہ تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ اور سانس بڑی تیزی سے چل رہی تھی۔ حالانکہ سردی کا موسم تھا مگر سارا چہرہ پسینہ سے تر ہوگیا۔ ہم نے اس کو اس غشی کی حالت میں صوفہ پر لٹایا نبض دیکھی تو بہت کمزور چل رہی تھی۔ ہم نے پورا حال جلدی سے ایک رقعہ پر

مختصر لکھکر ملازم کو ڈاکٹر صاحب کے پاس دوڑایا۔

(۵)

معمولی غشی تھی جو ڈاکٹر صاحب کی ایک ہی خوراک کے بعد چاندنی بالکل فٹ ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب جا چکے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں باتیں کرتے کرتے اس کا چہرہ شرارت اور اپنی کامیابی پر دمکنے لگا۔ وہ لیٹے لیٹے چپکے چپکے اب ہنس ہنس کر جو کچھ گذرا تھا وہ سنا رہی تھی۔ ہمیں اپنی حماقت کا اندازہ ہوا اور اسکو بھی اپنی شرارت کا خیال کرکے پھریری سی آگئی۔ قسمت تھی کہ آج وہ نہ معلوم کس مصیبت سے بچ گئی۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس واقعہ سے نصیحت پکڑیں اور ہمیشہ اعتدال سے کام لیں۔

گھنٹہ بھر کے اندر چاندنی کی تیزی اور پھرتی مع شرارت کے سب اسی طرح واپس آگئی۔ وہ سیدھی ہمیں غسل خانہ کے پاس لے گئی۔ دروازہ پر انگلی ماری اور کامل صاحب اندر سے بولے۔ "کہیئے خیریت تو ہے" "خدا کا شکر ہے سب خیریت سے گذری"۔ چاندنی نے ہنسکر کہا "معاف کیجئے گا بہت دیر مجھ کو لگی"۔

"یہاں ایک گدھا ہے" کامل نے ہنسکر کہا

"خدارا اتنے انکسار سے کام نہ لیجئے"۔ چاندنی نے ازراہ شرارت ہنستے ہوئے کہا۔ اور ہم خود اس فقرہ پر بمشکل ہنسی ضبط کرسکے۔

کامل بولے "آپ مذاق کررہی ہیں اور یہاں واقعی ایک گدھا بھی کھڑا ہے"۔

"کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں" چاندنی نے ہنسکر کہا۔ "خیر معاف کیجئے گا۔ گھس

گیا ہوگا۔ مگر اسکو ابھی تو رہنے دیجئے۔"

"بیچارہ بالکل عزیب ہے اور دیوار سے لگا ایک طرف کھڑا ہے"

"ابھی حاضر ہوئی"۔ یہ کہکر چاندنی اور ہم چلے آئے۔ ہم نے کہا یہ گدھا کہاں سے آیا۔ تب اسنے قصہ بتایا کہ خاص طور پر اُسنے منگایا ہے۔

شام تک اسی طرح کامل بند رہے اور کسی نے خبر تک نہ لی۔ بعد مغرب چاندنی نے غسل خانہ کے پاس جاکر کہا "معاف کیجئے گا۔ آج مجھکو موقعہ ہی نہیں ملا کیونکہ وہ کلب بھی نہیں گئے"۔

"مگر اب تو کسی نہ کسی طرح کھول دیجئے۔ کامل نے گھبرا کر کہا۔ کیونکہ گھنٹوں سے قید محض کے لطف اٹھا رہے تھے۔ اسکا جو جواب چاندنی نے دیا تو کامل سنکر خوش ہی تو ہو گئے۔ اُسنے کہا "اگر آپ آج رات کو گھر نہ جائیں تو کچھ نقصان ہے۔ زیادہ سے زیادہ رات کے دس بجے تک آپ کو یہاں تکلیف اٹھانی پڑیگی۔ پھر میں کھول دونگی اور آپ چپکے سے برابر والے کمرہ میں الماری کے پیچھے پردہ کی آڑ میں چھپ جایئے گا۔"

کانپتی ہوئی آواز میں کامل نے کہا "بہت اچھا۔ آپ جائیے میں سمجھ گیا۔"

سردی کا زمانہ تھا۔ اور رات کا کھانا کھانیکے بعد چاندنی نے بہت سی چائے بنائی۔ ہم نے اس سے کہا کہ تو نے ہمارے دوست کو نہ تو چائے دی۔ اور نہ رات کے کھانے کی فکر کی۔ اسکا جواب اُسنے مسکراتے ہوئے یہ دیا کہ یہ چائے در اصل انھی کیواسطے بن رہی ہے۔ مٹھائی۔ توس۔ مکھن۔ انڈے کچھ میوہ اور چائے

یہ اُسنے ایک کشتی میں سجائے۔ چاندان بھرکر چائے اور دودھ دان بھی بالائی وار دودھ سے بھرا ہوا تھا۔ یہ سب چیزیں اسنے غسل خانہ میں پہنچادیں۔ کامل ہو کے تو تھے ہی سب صاف کر گئے۔ اسکے بعد پھر کسی نے کامل صاحب کی خبر نہ لی کیونکہ ہم نے جب کہاکہ انکو سردی لگ رہی ہوگی تو اُسنے کہاکہ اپنے مہمان کے آرام کا مجھے تم سے زیادہ خیال ہے۔ اسکا انتظام پیشتر ہی ہو چکا تھا۔"

(۶)

رات کے ٹھیک ڈھائی بجے گھڑی کے الارم نے ہمیں جگا دیا۔ چاندنی سے ہم نے پوچھا "یہ گھڑی میں الارم تم نے لگایا تھا"

"ہاں"

"یہ کیوں" خواہ مخواہ نیند خراب ہوئی۔

وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "اصل تماشہ تو ڈھائی بجے ہی شروع ہونے کو تھا۔ چلو۔ یہ کہکر اُسنے اپنا کوٹ پہنا اور شال اوڑھی "چلو اٹھو" دیکھ کیا رہے ہو"۔ اسنے ہمارا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

"تم پاگل ہو ہم خواہ مخواہ حیران نہیں ہونگے۔ ہم سوتے ہیں۔ ہم نے کہا۔

مگر اُسنے لحاف وغیرہ گھسیٹ لیا اور ہمیں کھینچکر کھڑا کر دیا کہ "تم چلو تو دیکھو کیا ہوتا ہے"۔ باہر نکل کر ایک ملازم کو جگایا اور غسل خانہ کی موری کے پاس اُسے بٹھا کر کہاکہ چپکے چپکے اس تار کو کھینچو جو گدھے کے کان میں بندھا ہوا تھا۔

ہم تو یہی سمجھے تھے کہ کامل صاحب کو محض گدھے کے ساتھ شب باش کر کے

چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر یہاں اب ہم نے یہ قصہ دیکھا۔

ملازم نے تار کو جو ڈھیل دے دے کر کھینچا تو بس غضب ہی ہو گیا۔ گدھے کے تازہ زخم میں جو درد ہوا تو پہلے تو اسنے اندر اچھل پھاند کی اور پھر زور سے چلایا۔ تار برابر رہ رہ کر ڈھیل دے دے کر کھینچا جا رہا تھا اور جب گدھے کو زیادہ تکلیف ہوئی اور تار کو ڈھیل بھی کافی ملی تو اسنے غسل خانہ میں پینتری بدلنا شروع کئے اور لاتیں چلا چلا کر بری طرح چیخنا شروع کیا۔ قصہ مختصر غسل خانہ میں وہ دھما چوکڑی مچی کہ تمام چیزیں گرنے اور الٹ پلٹ ہونیکی آواز آ رہی تھی۔ اور معلوم ہو رہا تھا کہ اندھیرے میں غسل خانہ میں کامل صاحب اور گدھے سے خوب چھن رہی ہے۔ ملازم سے تاکید کر دی کہ یہ کاروائی صبح تک جاری رہے۔ یہ کہکر ہم دونوں کمرہ میں واپس چلے آئے۔ ہماری طبیعت اسوقت نمعلوم کیوں اس تمام معاملہ پر غور کر کے مکدر اور کند ہو گئی اور ہمیں یہ حرکت کچھ پسند نہ آئی۔ اور ہم چپ تھے۔

چاندنی نے ہماری حالت کا اندازہ کر لیا اور وہ لڑنے پر آمادہ ہو گئی۔ اور اسنے جل کر کہا "کیا انہوں نے کمینہ حرکت نہیں کی۔ کیا انھوں نے مجھے اور تمہیں ذلیل کرنے کی انتہائی کوشش نہیں کی۔ کیا انہوں نے میری زندگی ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا انھوں نے تمام روایات دوستی اور دیرینہ تعلق کو خود پہلے شکست نہیں کیا۔ میرے دل میں انکی طرف سے ذرہ بھر رحم نہیں۔ میرا بس چلے تو ایسے لوگوں کو زندہ دفن کرا دوں"

گدھے کے شور بے ہنگام نے قطعی سونے نہ دیا۔ رہ رہ کر وہ دہائی دیتا تھا کہ

خدا کی پناہ۔ صبح ہوئی اور چاندنی نے کہا کہ "اب تم گدھے کی آواز سنکر گویا اٹھے ہو۔ اور اگر ملازم کو لیکر تحقیق حال نہ کرو تو بہت بیجا ہے۔ یہ تو محض اتفاق کی بات ہے کہ رات کو انھیں کھولنے کا موقعہ نہ ملا" ہم نے جانے سے انکار کیا تو پھر اسنے وہی جلی بھنی باتیں سنانا شروع کیں کہ جو شخص ایسی کمینی حرکتیں کرے۔ وہ اسی ذات کا مستحق ہے۔ قصہ مختصر اسنے ہمیں مجبور کر دیا۔ ہم ایک ملازم کے ساتھ لالٹین لیکر پہونچے۔ کیا بتائیں کہ ہماری ہمت نہ پڑتی تھی کہ چاندنی آئی اور اسنے پھر غصہ بھری نگاہوں سے دیکھا اور خود دراوزہ کی کنڈی کھول کر تیزی سے واپس چلی گئی۔ ہم نے مجبوراً کچھ تامل کے بعد دروازہ کھول کر لالٹین کی روشنی سے اندر دیکھا۔ جو نظارہ پیش نظر تھا وہ قابل عبرت تھا۔ خدا ہر شخص کو اس ذلت اور مصیبت سے بچائے۔ ہمارے اور ملازم دونوں کی زبان سے "ارے" نکلا۔ ملازم حیرت میں تھا۔ نہایت ہی ریاکاری سے ہم نے کہا "کامل یہ کیا معاملہ"۔ کامل بھلا اسکا کیا جواب دیتے۔ عجیب منظر پیش تھا۔ سارا غسل خانہ تعفن کے مارے سڑ رہا تھا۔ گدھا بیچ غسل خانہ میں کھڑا تھا تمام چیزیں لٹی پڑی تھیں۔ جگہ جگہ لید پڑی تھی۔ اور علاوہ اسکے پاخانہ کی بدبو کے مارے دماغ اڑا جا رہا تھا۔ کامل ایک فرش کی بڑی دری میں لپٹے لپٹائے ایک کونہ میں سرنگوں بیٹھے تھے۔ ہم نے جو ذرا غور سے اس ناقابل برداشت تعفن کا سبب دریافت کرنے کے لئے اِدھر اُدھر نظر ڈالی تو کامل کا پتلون پاخانہ میں لتھڑا ہوا الگ کونہ میں پڑا پایا۔ اب جو غور سے زمین پر نظر کی تو جگہ جگہ پاخانہ پڑا تھا +

کامل کو دراصل بدقسمتی سے رات بھر دوست آئے تھے۔ ہم الٹے پاؤں کمرہ میں واپس آئے۔ ہماری طبیعت منغص ہو رہی تھی اور ہم نے افسوس کے ساتھ کامل کی حالت زار چاندنی سے بیان کی۔ مگر عورت کے دل میں شاید اس کی عزت و آبرو لینے کی کوشش کرنیوالے کیلئے رحم نہیں آتا۔ اسنے پھر تر شرو ہوکر کامل کی سزا کو حق بجانب بتایا۔ دراصل چائے میں جمال گوٹہ کاسٹ ملا دیا تھا۔ جسکی وجہ سے رات بھر مارے دستوں کے کامل کا بُرا حال ہوگیا۔ ہم سر پکڑ کر ایک کرسی پر بیٹھے اس مصیبت پر غور کر رہے تھے۔ حالانکہ ہمارے ساتھ کامل نے بُرا سلوک کیا تھا اور وہ واقعی رحم کے قابل نہ تھے۔ مگر پھر بھی در اصل خطا ہماری تھی۔ جو ہم نے اتنی ڈھیل دی۔ ہم چاہتے تو یہ دن ہی نہ آتا ہم اٹھے اور ہم نے جاکر کامل سے کہا "معاف کرنا۔ مگر غلطی تمہاری بھی تھی جو تم اس شریر کے چکر میں پڑے"۔ کامل کچھ نہ بولے اور ہم لوٹ آئے۔

دوسرے غسل خانہ میں جلدی سے گرم پانی اور صاف کپڑے ہم نے پھونچوائے۔ اور کامل کو وہاں بھجوایا۔ دوسرے آدمی کو اُنکے گھر موٹر لینے بھیجا۔ کامل غسل خانہ سے سیدھے نہا دھوکر ادھر سے ادھر ہی اپنے گھر چلے گئے

افسوس کہ یہ راز افشا ہوگیا۔ نوکروں نے بات نہ معلوم کہاں سے کہاں پھونچائی۔ خاص خاص دوستوں سے مجبوراً تمام حالات بے کم و کاست شروع سے آخر تک سنانے پڑے۔ اور شدہ شدہ یہ قصہ سب کو معلوم ہوگیا۔ جسکی وجہ سے سوسائٹی میں کامل کا وہ منہ کالا ہوا کہ کسی سے ملنے کے

قابل نہ رہے۔ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے غیر ہو گئے۔ اور ہم سے اُن سے پھر کوئی تعلق نہ رہا۔ یہاں ہم ان باتوں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے جو بعد میں پیش آئیں۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ کامل نے ہماری بیوی سے خوفناک بدلہ لینے کی کوشش کی اور مجبوراً ہم کو رخصت لیکر خود اسجگہ کو چھوڑنا پڑا

اس تجربہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا اور ہماری بیوی کا اصول غلط تھا۔ شرارت اور آزادی کی ضرور کوئی حد ہونا چاہیے۔ اور اس حد آزادی کو ہر شخص اپنی ضروریات کے مطابق مقرر کر سکتا ہے +

چاندنی نے پھر کبھی شرارت کو اس قسم کا رنگ نہیں دیا۔

ایک دوست کی حماقت اور بیوی کی شرارت کا یہ نتیجہ نکلا +

فاعتبروا یا اولی الابصار

مرزا عظیم بیگ چغتائی کی دوسری تصنیف
انگوٹھی کی مصیبت۔
اس کتاب میں انگوٹھی کی مصیبت اور اسی قسم کے
ایک درجن کے قریب افسانے ہیں قیمت عہ
منیجر نیرنگ خیال لاہور

ساتواں باب

گمنام خطوط

ہماری بیوی ہماری اِس نوکری سے خوش تھی کہ تبادلہ ہوتا ہے اور نئے نئے مقامات میں رہنے کا موقع ملتا ہے۔ ہم دو جگہ کی ہوا کھا چکے تھے۔ اور تیسری جگہ کی امید تھی۔ اتفاق کی بات یا خوش قسمتی کہ ہماری خوشی کا ٹھکانا ہی نہ رہا جب ہمیں معلوم ہوا کہ ہمیں اب حامد کے وطن میں رہنے کا موقع ملیگا حامد اپنے پرانے دوست اور یارِ غار تھے۔ ہم نے انہیں فوراً تار دیا۔ اور ہماری بیوی نے اسباب وغیرہ فوراً ہی تو بند کرنا شروع کر دیا۔ حامد کا خط آیا جو خط کیا تھا گویا کسی استقبالیہ کمیٹی کے صدر کی طرف سے ایڈریس تھا۔

نئے شہر میں ہم سیدھے معہ بیوی کے حامد کے مہمان ہوئے۔ انھوں نے ہماری اس طرح خاطر کی کہ گویا تین چار سال کا حقِ دوستی پیشگی ہی ادا کر دیا حامد نے ایک نیا موٹر لیا تھا۔ نیا نیا شوق خوب ہمیں اور ہماری بیوی کو سیر کراتے اور تمام شہر کے مشہور مقامات ایک ایک کر کے دکھائے۔ حامد کی ماں اور بہنیں ہماری بیوی سے مل کر بیحد خوش ہوئیں +

آٹھ دس روز ہم حامد کے مہمان رہے پھر اسکے بعد شہر کے کچھ باہر ہی ہمیں چھوٹا سا بنگلہ مناسب کرایہ پر مل گیا۔ اور ہم آہیں چلے گئے ⁺

ہماری اور ہماری بیوی کی زندگی میں اس تھوڑے سے ہی عرصہ میں انقلاب عظیم ہو گیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ منزل بمنزل ہم اور ہماری زندگی دونوں بدلتے جاتے تھے۔ پہلے شروع میں مکانوں میں رہتے تھے اور شہر پسند تھا۔ اور پھر بنگلوں میں آئے اور بنگلوں ہی کی روش اختیار کی۔ پہلے ہماری بیوی کو ہماری سوسائٹی اور دلچسپیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور وہ سیدھی سادھی ایک غریب اور شرمیلی لڑکی تھی مگر اب بھلا یہ کیسے ممکن ہو کہ ہم کہیں سیر و تفریح یا دلچسپی کو جائیں اور ہماری بیوی ہمارا ساتھ نہ دے۔ اُسنے اس تبدیلی کو بخوشی منظور کیا تھا۔ پہلے وہ تو پردہ کے نام نہاد حدود میں رہتی تھی اور ہم یار دوستوں کے ساتھ گھومتے تھے۔ اور اکثر انہیں سے ایسے بھی ہوتے تھے جیسے ہمارے پرانے یار ماسٹر گلاب چند مگر اب ہمارے لئے یہ ناممکن تھا کہ ہم کسی ناشائستہ سوسائٹی یا زبان دراز دوست سے مل سکیں یا اُس کے ساتھ اٹھ بیٹھ سکیں۔ کیونکہ ہماری بیوی ہمارے ساتھ ہی ہوتا پسند کرتی تھی۔ محض اسی بنا پر ہمکو کلب سے بھی دلچسپی نہ رہی تھی کیونکہ اکیلی بیوی گھر پر گھبرایا کرتی تھی۔ ہم کبھی کبھی چلے جاتے۔ مگر ہم کو دلچسپی زیادہ اسی میں تھی کہ شام کو اپنے بنگلہ پر رہیں یا تنہا بیوی کے ساتھ ہوا کھا آئیں۔ ہماری بیوی اس موجودہ زندگی کو اگر پسند کرتی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ وہ خوش تھی کہ ہماری پرانی سوسائٹی چھوٹ گئی۔ اور ہمارے دوستوں اور ملنے والوں کی تعداد گھٹ کر اسقدر محدود ہو گئی کہ ہمیں کسی

اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہی۔ ہمارے دوستوں میں یہاں ویسے تو بہت تھے اور سب تھے مگر دراصل ہمارے دوست بھی اب دو قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جو ہمارے ذاتی ملنے والے تھے اور ان سے ہماری ملاقات ملنے والے کمرہ ہی تک محدود تھی اور دوسرے وہ جو ہمارے اور ہماری بیوی دونوں کے ملنے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ملنے والوں کی تعداد کم ہوگی اور سوائے حامد کے دوسرا کوئی نہ تھا۔ یا پھر حامد کے ایک اور گہرے دوست تھے۔ جنکا نام رفیق تھا۔ مگر چونکہ وہ دیہات میں رہتے تھے۔ لہٰذا وہ صرف کبھی کبھی آتے تھے۔

حامد کو شکار کی بھی بڑی دہشت تھی مگر جب سے ہم آئے تھے اتوار کو ان کو پکڑ لیتے تھے۔ اور ان کو موقعہ نہ ملتا تھا۔ حامد نے روزانہ کہ کہ کر آخر ہمیں ایک روز راضی ہی کر لیا۔ ہماری بیوی نے چونکہ شکار کبھی نہ دیکھا تھا لہٰذا ہم نے بھی مجبوراً منظور کر لیا۔ شکار کی پارٹی بہت مختصر تھی۔ ہم ہماری بیوی اور حامد اور ایک بیرسٹر صاحب بیرسٹر صاحب کا نام ہم یہاں بتانا نہیں چاہتے۔ بہت معقول صورت و معقول سیرت جوان آدمی تھے۔ پینتیس ۳۵ برس کی عمر ہوگی۔ ولایت سے بیوی لائے تھے۔ جو سال بھر کے اندر ہی مر گئی۔ پھر شادی دوبارہ نہ کی۔ کسی دوسری جگہ کے آدمی تھے مگر شروع سے یہیں رہتے تھے اور ہمیشہ سے بالکل ہی تنہا رہنے کے عادی تھے

(۱)

صبح چار بجے ہی آکر حامد نے ہمیں کھٹکھٹایا۔ بیرسٹر صاحب سے ہماری تو ملاقات کئی مرتبہ ہو چکی تھی مگر ہماری بیوی کی اور انکی یہ پہلی ملاقات تھی۔ بہت جلد ہم نے چائے تیار کرائی۔ اور فارغ ہو کر حامد کی موٹر میں روانہ ہو گئے۔ حامد موٹر خود چلاتے

تھے اور آگے انکے پاس ہماری بیوی بیٹھی تھی اور ہم اور بیرسٹر صاحب پیچھے بیٹھے تھے بارہ پندرہ میل پختہ سڑک کا راستہ طے کرکے کچی سڑک آئی اور پھر دو چار میں چل کر گڑھے اور اونچی نیچی زمین سے سابقہ پڑا۔ یہ مشکل بھی آسانی سے طے ہوگئی اور جھیل آگئی۔ ہم لوگ اتر پڑے اور جھیل کی طرف چلے۔

جھیل میں مرغابیاں اور قازیں بھری پڑی تھیں۔ ہم نے بیوی کو ایسی جگہ بٹھادیا۔ جہاں سے وہ تماشہ دیکھ سکے اور ہم تینوں جھیل کی طرف چلے۔ ہم لوگ الگ الگ چلے گئے اور جھیل کو تین طرف سے گھیر لیا۔ حامد نے پہلے بندوق چلائی اور پھر اڑنے پر بیرسٹر صاحب اور حامد نے بہت سے فیر کئے ہم نے بھی طبع آزمائی کی۔ ہم نے تو ایک پرند تک نہ مارا مگر حامد اور بیرسٹر صاحب نے مل کر سات بڑی قازیں اور تین چھوٹی مرغابیاں ماریں

یہاں سے فراغت پاکر اب ہرن کے شکار کا ارادہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیرسٹر صاحب ہم سے اور ہماری بیوی سے بھی بے تکلف ہوگئے۔ اور شکار میں خوب لطف آیا۔ حامد سے اور بیرسٹر صاحب سے پرانا شکار کا یارانہ تھا اور دونوں پرانے شکاری تھے۔

قصہ مختصر ہم لوگ بارہ بجے کے قریب لوٹے۔ علاوہ ان آبی جانوروں کے دو ہرن قتل کئے گئے تھے اور ہماری بیوی نے شکار کا خوب لطف اٹھایا۔ چونکہ کھانا تیار ہی تھا حامد اور بیرسٹر صاحب نے بھی ہمارے ہی ہاں کھانا کھایا قصہ مختصر دن مزے سے کٹا۔ بیرسٹر صاحب ہم سے اور ہماری بیوی سے مل کر بہت خوش معلوم ہوتے تھے اور ہماری بیوی نے انکے بارہ میں قطعی فیصلہ دیا

تھا کہ یہ بہت معقول اور اچھے آدمی ہیں اور واقعی وہ تھے بھی ایسے ہی۔

بیرسٹر صاحب ہماری بیوی سے پہلی مرتبہ ملے تھے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کسی سے ملو تو اسکے بارہ میں کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیئے وہ یورپ کی ایک جھلک دیکھے ہوئے تھے۔ عموماً جو ہمارے نوجوان انگلستان جاتے ہیں اور جنکی وسعت تین چار سو روپیہ ماہوار سے زائد نہیں وہ عموماً اسفل ترین سوسائٹی میں وہاں بسر کرتے ہیں اور وہاں کی عورتوں کے طبائع اور روشن خیالات کو دیکھکر عالم نسوان کے بارہ میں ایک عام رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ماہر نسائیات سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمارے بیرسٹر صاحب بھی عال تھا۔ رفیق نے جب اُن سے ہماری بیوی کے بارہ میں گھر واپس جاتے ہوئے تذکرہ کیا تو انہوں نے ایک مستخر آمیز اور طنزیہ طریقہ پر کہا "آپکو ان سے اسقدر کیوں دلچسپی ہے"

"اسلیے کہ وہ میرے دوست کی بیوی ہیں"

"یا اسلیے کہ وہ ایک دوست کی خوبصورت بیوی ہیں

"لاحول ولاقوۃ تم بھی کیا آدمی ہو۔ حامد نے کہا۔

"مجھ سے زیادہ آپ کو موجودہ روش کی دلدادہ عورتوں کا تجربہ نہیں ہے" بیرسٹر صاحب نے کہا۔

"بہتر ہے اگر آپ کوئی دوسرا تذکرہ کریں" حامد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"اجی جناب آپ مجھ سے ....."

براہ کرم چپ ہو جاؤ۔ واللہ میں ایک لفظ نہیں سن سکتا۔ حامد نے ضرورت

زیادہ سنجیدہ ہو کر کہا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ اور حامد نے ہم سے کبھی اس کا ذکر بھی نہ کیا۔

اتوار کا دن تھا اور ہم نے اپنی بیوی سے کہا کہ دوست آج تو حلوا کھلاؤ ہماری بیوی کو ہمارے ایسے دوستوں کی خاطر مدارات کی بہت فکر رہتی تھی۔ جنکے گھر عورتیں نہ ہوں۔ وہ طرح طرح کے کھانے پکا کر ایسے دوستوں کو اکثر بھجواتی رہتی تھی۔ ہماری رائے سے ہماری بیوی نے قطعی اتفاق کیا۔ اور کہا کہ ہم آج دو تین طرح کے حلوے پکائیں گے۔ اور مُرغ کا قورمہ پکائیں گے اور بیرسٹر صاحب کے یہاں ضرور بھیجیں گے۔

ہم نے دل میں سوچا کہ ہم بھی نہ اپنی بیوی کا ہاتھ بٹائیں۔ جب ہماری بیوی نے یہ سنا تو یہ طے ہوا ایک ہم پکائیں اور ایک ہماری بیوی۔ ہم نے بیوی سے کہا کہ مونگ کی دال کا حلوا تو پکا اور ہم چنے کا پکائیں گے۔ ارادہ دو قسم کے حلوے کا تھا۔ مگر پھر تین قسم کا طے ہو گیا۔ یعنی سوجی کا بھی۔

ہم نے اپنے بنگلہ کے برآمدہ میں بہت جلد انیٹوں کے چولھے تیار کئے۔ اور بہت جلد حلوے پکائے جانے لگے۔ دو مرغ ذبح کئے گئے تھے۔ ان کو دوسرے چولھے پر چڑھا دیا۔ ہماری بیوی چونکہ تمیز دار زیادہ تھی اسلئے وہ مختلف ڈبوں پر ہر چیز مثلاً نمک اور شکر وغیرہ کے لیبل لگا کر رکھتی تھی۔ نمک بھی اس احتیاط سے پیس کر رکھا جاتا تھا کہ حکم تھا کہ چمچہ ہی سے ڈبہ سے نکال کر ڈالا جائے۔ بدقسمتی کہیے یا خوش قسمتی کہ جب گھی میں دونوں حلوے خوب بھنے

اور خوشبو نکلنے لگی تو بجائے شکر کے جو پسی ہوئی تھی۔ خوب اچھی طرح ہماری بیوی نے نمک ڈالا۔ جلدی سے تیار کر کے حلوے اتارے گئے۔ اور نہایت تکلف سے اونکو زعفران اور کیوڑہ کی خوشبو دے کر پلیٹوں میں۔ کھ کر سنہری ورق لگائے گئے۔ اور میوہ کی افشاں چھڑکی گئی۔ خوش قسمتی سے سوجی کے حلوے میں نمک نہ پڑا۔ اسکو ہم پکا رہے تھے۔ جب شکر وغیرہ پڑگئی۔ تو وہ بھی آتا گیا۔ ہم اصل میں اوسکو ملائم چاہتے تھے مگر معلوم ہوا کہ وہ تختی والا حلوا بن گیا۔ خیر کچھ بھی ہو اوسکو سینی میں جما دیا گیا۔ اب مرغ کے قورمہ کا حال سنیئے۔ اسمیں بجائے نمک کے نہایت اطمینان سے خوب شکر ڈالی گئی ہم نے مرغ کا نمک بھی چکھا مگر بوجہ گرم گرم ہونے کے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اور ہم نے یہ سمجھ کر کہ ٹھیک ہے اوسکو پاس بھی کر دیا۔ مگر ہماری بیوی نے احتیاطاً نمک نہ ڈالا کہ کہیں تیز نہ ہو جائے۔ سب سے پہلے ان سب چیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا ہماری بیوی نے بیرسٹر صاحب کے لئے نکالا اور آدمی کو دوڑایا کہ جلدی جائے تاکہ کھانے کے وقت پہونچ جائے۔ اب ہمارے سوجی کے حلوے کا حال سنیئے کہ وہ کمبخت اسقدر سخت ہوگیا کہ ہماری عقل کام نہ کرتی تھی کسی طرح کھایا ہی نہ جاتا تھا۔ اور اسکو توڑنے کیلئے پتھر کی ضرورت تھی۔ دوسرے حلوے جو پکھے گئے تو نمک کے مارے زہر نکلے اور مرغ کو جو چکھا گیا تو میٹھا غرض کل چیزوں کا خوب ستیاناس مارا گیا۔ ہم اپنی بیوی کو الزام دیتے تھے اور وہ ہمیں۔ اب رائے یہ ہوئی کہ اسکا کیا کیا جائے۔ نمکین حلوے تو بالکل بیکار تھے۔ مجبوراً دلچسپی کے لئے سب کے یہاں ہماری بیوی نے تقسیم

کرائے۔ قورمہ کو ہم نے نمک سے درست کرکے کھا لیا۔

یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ مذاق میں ایسا ہو جائے۔ مگر بیرسٹر صاحب معلوم کس راستہ پر جا رہے تھے۔ اور معلوم انھوں نے کیا سمجھا۔ شام کو آئے اور حلوے کا شکریہ ادا کیا۔ اور ہماری دلچسپ بیوی سے بہت باتیں کرتے رہے۔ حامد بھی آئے غرض شام کو تفریح رہی اور اسکا اختتام موٹر کی سیر پر ہؤا

(۳)

دو تین ہی مہینہ میں ہمارے بیرسٹر صاحب سے ایسے تعلقات ہو گئے کہ حامد سے کبھی نہ تھے۔ بیرسٹر صاحب ہماری بیوی کی تعریف کرتے کرتے مرے جاتے تھے۔ اور اب ہماری ان سے بیحد بے تکلفی تھی۔ ہمارے اوپر اور ہماری بیوی پر وہ اسقدر مہربان تھے کہ سیکڑوں تحائف وہ ہماری بیوی کو نذر کر چکے تھے۔ اور ہماری بیوی کا بھی یہ حال تھا کہ دن رات بیرسٹر صاحب کی مدح سرائی ہوتی تھی۔ قصہ مختصر بیرسٹر صاحب ہمارے بہترین دوستوں میں سے تھے۔

ہم کچہری سے ایک روز جو آئے تو ہماری بیوی غیر معمولی طور پر خوش معلوم دی۔ ہم نے کہا کیا معاملہ ہے ہمیں بھی بتاؤ تو اوسنے ایک خط ہمارے سامنے کر دیا۔ اسمیں چند عشقیہ اشعار لکھے ہوئے تھے اور لکھا تھا کہ اس کا جواب اگر دینا ہے تو فلاں فلاں مقام پر رکھدینا۔ ہم چکر میں تھے کہ الٰہی یہ کون ہے۔ لفافہ پر پتہ اور مہر کو دیکھا۔ معلوم ہؤا کہ یہیں کا ہے۔ ہماری بیوی کا

پتہ لکھا تھا۔ ہم نے بہت کچھ سوچا مگر سمجھ میں نہ آیا۔ ہماری بیوی بھی بڑی مشکل سے سوچ بچار کر حسب ذیل اشعار لکھ لائی اور ہمکو دکھائے۔

ایک لڑکے نے یہ بڈھے باپ سے اپنے کہا + تو سراپا ناز ہے میں ناز بردار دہن ہوں
ایک لڑکے نے یہ بڈھے باپ سے اپنے کہا + آنکھوں ہی آنکھوں میں ظالم مسکرانا چھوڑ دے
ایک لڑکے نے یہ بڈھے باپ سے اپنے کہا + یار کی گلیوں میں کیونکر یار جانا چھوڑ دے

ظاہر ہے کہ ہمارا ہنسی کے مارے کیا حال ہوا ہوگا مگر ہم نے اپنی شریر بیوی کی طبیعت کی تیزی کی خوب ہی تو داد دی۔

قصہ مختصر خط رکھ دیا گیا۔ اسکا جواب جو آیا تو اوسمیں اور بھی تیز تیز اشعار تھے۔ چار چھہ ہی خط اسطرح آئے گئے کہ خط بھیجنے والے بر سر مطلب آگئے۔ اور نثر میں عشق کی داستان سنانے لگ گئے۔

ہم نے بیوی سے کہا کہ مارو گولی جانے دو مگر وہ بڑی مشکل سے مانی۔ مگر وہاں وہ دوسرے حضرت بھلا کیوں مانتے۔ انکے اسقدر طول طویل خط آنے لگے کہ ہماری بیوی نے کہا کہ اب ناممکن ہے کہ انکے خطوط کا جواب نہ دیا جائے چنانچہ مناسب جواب لکھدیا گیا جیسا کہ ایک عورت کو لکھنا چاہیے تھا +

ہم نے اب حامد کو اس راز سے آگاہ کیا۔ اُسنے جو خط دیکھے تو وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ اسنے وہ کہا کہ یہ حضرت بیرسٹر صاحب ہیں۔ اور پھر تکرار والے روز جو اس سے بات چیت ہوئی تھی۔ اسکا تذکرہ کیا۔ ہم سناٹے میں آگئے اور ہمیں فوراً معلوم ہوگیا کہ شاید اسی وجہ سے بیرسٹر صاحب نے ہمارے یہاں آنا بند کر دیا ہے۔ ہماری بیوی کو ایک صدمہ سا ہوا کہ جیسے اس کا کوئی نقصان

ہوگیا مگر وہ ذرا ہی دیر میں بولی کہ آپ دونوں اگر خاموش رہیں تو میں آپ لوگوں کو وہ تماشہ دکھاؤں کہ آپ لوگ عمر بھر یاد کریں۔ ہم نے کہا وہ کیا تو اوسنے کسی نہایت ہی سخت شرارت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہم تم کو نہ بتائیں گے۔ اوسکے چہرہ پر شرارت رقص کر رہی تھی۔ اور وہ ہنس رہی تھی۔

اوسنے ایک خط ان گمنام خطوط کے لکھنے والے کو انکے خط کے جواب میں لکھا کہ چونکہ آپ مجھ سے تنہائی میں ملنے کے بیحد خواہشمند ہیں۔ لہذا آپ مجھ کو پولو کے میدان پر ملیے گا۔ مگر یاد رکھیے کہ آپ وہاں اسطرح پوشیدہ ہوں کہ سڑک پر سے دکھائی نہ پڑیں۔ بہتر یہ ہے کہ سڑک سے کچھ فاصلہ پہ جو درخت ہے اوسپر چڑھ کر پتوں میں چھپ جایئے گا۔ میں انشاءاللہ مغرب کے وقت پہونچوں گی۔ دن اور تاریخ تو مقرر ہی تھی۔ ہم فوراً وقت مقررہ سے پیشتر حامد کو لیکر بیرسٹر صاحب کے یہاں پہونچے۔ اور اُن سے کہا کہ چلیئے موٹر پر ہوا کھا آئیں۔ ہماری بیوی نے خاص طور پر آپ سے فرمایش کی ہے۔ بیرسٹر صاحب نے عذر کیا۔ ہمکو فوراً یقین کامل ہوگیا کہ گمنام خط لکھنے والا سوائے انکے کوئی نہیں۔ کیونکہ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ انہوں نے ہماری بیوی کی فرمایش کو رد کیا تھا۔ جب ہم نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگے کہ میں آج کہیں نہ جاؤنگا..... اسپر ہم دونوں نے کہا کہ پھر ہم بھی آپ ہی کے یہاں بیٹھے ہیں۔ بیرسٹر صاحب چکرائے اور کہنے لگے کہ بھائی بات دراصل یہ ہے کہ مجھے ایک جگہ ایک

مقدمہ کے سلسلہ میں جانا ہے۔ ہم نے کہا ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے مگر بیرسٹر صاحب نے لاچار ہو کر کہا افسوس ہے میں کچھ ایسے کام سے ایک صاحب سے شہر ہی میں ملنے جا رہا ہوں کہ آپ لوگوں کو بتا نہیں سکتا مجھے معاف کیجئے گا۔ جب ہم نے خوب تنگ کر لیا تو چلے آئے۔

(۳)

موٹر کو تو ہم نے پولو کے میدان سے کچھ دور چھوڑا اور ہم اور حامد اور دو صاحبان اور جنکو ہم کلب سے پکڑ لائے تھے ٹہلتے ٹہلتے پولو کے میدان کے اس درخت کے پاس پہونچے۔ لاپرواہی سے ہم درخت کے نیچے آئے۔ اوپر جو نظر اوٹھا کر دیکھتے ہیں تو بیرسٹر صاحب معلق ہیں۔ تعجب سے ہم نے تصنع کے ساتھ چلا کر بیرسٹر صاحب کو پکارا۔ اور ساتھی بھی دوڑ کر آئے۔ بیرسٹر صاحب سے ہم نے اور حامد نے کہا۔ کہ کیوں جناب آپ تو شہر میں کسی صاحب سے ملنے جانیوالے تھے آخر یہ کیا خلاف شرع معاملہ کہ درخت پر آویزاں ہیں۔ خدا کے واسطے جلد اس معمہ کو حل کیجئے۔ بیرسٹر صاحب خفت کی مسکراہٹ سے کام لے رہے تھے۔ کہنے لگے کہ بھئی میں دراصل آج کل سیاروں کی نقل و حرکت پر غور کر رہا ہوں۔ چنانچہ زحل کا طلوع دیکھنے چڑھا تھا۔ ہم لوگوں نے ایک قہقہہ لگایا اور مختلف رائے قائم کی۔ بیرسٹر صاحب نہ معلوم کس مصیبت سے چڑھے ہونگے۔ کیونکہ جوتہ پہنے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے امداد دیکر اتارا۔ اب سنجیدگی اور خاموشی سے جوان سے وجہ دریافت کی تو پھر وہی

کہنے لگے کہ زحل کا طلوع دیکھ رہا تھا۔ بیرسٹر صاحب کو ہماری بیوی نے ایسا زحل دکھایا کہ انکا لوگوں نے ناطقہ بند کر دیا۔ یار دوست ملنے والے غرض سب یہی کہتے تھے کہ نہ معلوم کیا معاملہ ہوگا۔ کلب میں اور کچہری میں غرض جہاں بھی کوئی کسی سے بہانہ کرے تو اُس میں یہ محاورہ استعمال ہونے لگا کہ کہیں زحل دیکھنے تو نہیں جا رہے ہو۔ غرض بیرسٹر صاحب کا ناک میں دم آ گیا۔

غرض اسی طرح ہماری شریر بیوی نے بیرسٹر صاحب کو کئی جگہ دوڑایا۔ ایک مرتبہ لکھدیا کہ پرانے قلعہ کے دروازہ کے سامنے موٹر پر ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ملئے گا میں ٹہلنے آؤنگی مگر براہ کرم تنہا ہوئیگا۔ ہم لوگ چہل قدمی کو نکل گئے اور ٹھیک سوا پانچ بجے وہاں پہونچے۔ بیرسٹر صاحب موجود تھے۔ ہم اور حامد اور ایک صاحب اور تھے فوراً دوڑ کر موٹر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ بھئی خوب ملے۔ بیرسٹر صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا۔ بھئی تم لوگوں کا کیا منشا ہے۔ ہم نے کہا یہ کہ ہوا خوری کریں اور گھر واپس چلیں۔ بیرسٹر صاحب بولے کہ میں یہ کر سکتا ہوں کہ تم لوگوں کو سیدھا تمہارے گھر پہونچا دوں اور بس۔ کیونکہ مجھ کو کسی دوسری جگہ جانا ہے۔ ہم نے کہا نہیں صاحب معاف کیجئے ہم لوگ اترے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر ہم لوگ اتر کر ایک پل پر بیٹھ گئے۔ اب بیرسٹر صاحب بڑے چکرائے کہ ہم لوگ یہاں سے ٹلتے ہی نہ تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم لوگوں کو موٹر پر لاد کر کہیں پھینک کر پھر واپس آئیں۔ دوبارہ آئے اور ہمیں راضی کرنے لگے کہ چلو گھر پہونچا دیں۔ مگر ہم بھلا کاہے کو مانتے تھے وہیں بیٹھے بیٹھے چھ بجائے۔ بیرسٹر صاحب مجبوراً چلے گئے۔ ہم کیا بتائیں کہ

بیرسٹر صاحب نے اس اتفاقیہ ملاقات کا کن الفاظ میں ہماری بیوی سے تذکرہ کیا۔ غرض خوب خوب بیرسٹر صاحب سے ہماری بیوی نے قواعد کرائی۔ کبھی رات کو اسٹیشن پر دوڑایا تو کبھی میلوں پیدل چلایا۔ شکار کے لئے کبھی تیار کیا تو ایسی گڑبڑ کردی کہ خود نہ جاسکی اور بیرسٹر صاحب نے ناشتہ کا انتظام کیا وہ یاروں نے چکھا۔

بہت جلد ہی اس لغو خط و کتابت سے جی بھر گیا اور ہماری سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ آخر خواہ مخواہ اسطرح بیرسٹر صاحب کو دوڑانے سے کیا فائدہ۔ کوئی خاص دلچسپی نہ آتی تھی۔ مگر ہماری بیوی کا ان معاملات میں ہم سب لوگوں سے زیادہ دماغ کام کرتا تھا۔ حامد کے ملنے والے ایک دوست سب انسپکٹر پولیس تھے جو سول لائنس کے تھانہ میں افسر دوم تھے۔ ان سے ہم سے محض سرسری ملاقات تھی۔ ہماری بیوی نے حامد صاحب سے کہہ کر ان سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی اور انکو ایک روز چائے پر مدعو کیا۔ انکو اس راز سے آگاہ کر کے جو تجویز ہماری شریر بیوی نے پیش کی وہ سب کو پسند آئی۔ بیرسٹر صاحب کے کل خطوط ہماری بیوی نے انکو دیدیئے۔

اتوار کا دن تھا اور بیرسٹر صاحب اپنے بنگلہ میں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے۔ ایک یکہ آکر رکا اور اسمیں سے ایک سب انسپکٹر پولیس معہ دو کانسٹبلوں کے اترا۔ بیرسٹر صاحب کو اطلاع کی گئی۔ اور وہ باہر آئے۔

سب انسپکٹر صاحب سے بیرسٹر صاحب کی قطعی ملاقات نہ تھی۔ بیرسٹر صاحب آپ
سب انسپکٹر صاحب نے کہا کہ میں کچھ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ بیرسٹر صاحب
صاحب اپنے ملنے کے کمرہ میں سب انسپکٹر صاحب کو لے گئے اور کہا فرمائیے
کیا ارشاد ہے۔ سب انسپکٹر صاحب نے اپنی جیب سے باضابطہ پولیس کا
وارنٹ تلاشی نکال کر پیش کیا اور کہا کہ میں آپ کی خانہ تلاشی لینے آیا ہوں جس
کی اجازت دی جائے۔ بیرسٹر صاحب معمولی آدمی نہ تھے تند ہو کر بولے
یہ کیا۔ سب انسپکٹر صاحب نے ہمارا نام لیکر کہا انہوں نے آپکے اور اپنی بیوی
کے متعلق پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے اور یہ خطوط داخل کئے ہیں۔
جن کو وہ بتاتے ہیں کہ آپ کے ہیں اور مجھ کو اب مقدمہ کی تحقیقات کے لئے
تلاشی لینا ہے۔ کیونکہ انکا بیان ہے کہ آپ کے یہاں انکی بیوی کے خطوط نکلینگے
مگر یہ میرے خطوط نہیں ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا
"یہ سراسر الزام ہے"۔
"میں مجبور ہوں۔ تلاشی کرنے پر خود معلوم ہو جائے گا۔ کیا آپ کوئی اپنی تحریر
پیش کر سکتے ہیں"۔ تہانیدار صاحب بولے۔
بیرسٹر صاحب حالانکہ قانون دان تھے مگر کہنے لگے "یہ میری توہین ہے میں
ہرگز اپنی تحریر اسطرح دکھانے پر تیار نہیں ہوں"۔
"معاف کیجئے گا میں مجبور ہوں اور خانہ تلاشی کے سلسلہ میں جناب کی تحریر
بھی مجھ کو کہیں نہ کہیں مل جائے گی جو میں خود اپنے فرائض کو انجام دیتے ہوئے
لے لوں گا۔

"میں شاید تلاشی بھی اسطرح نہ دے سکوں" بیرسٹر صاحب نے کہا ۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ قانون دان ہیں اور مجھے امید نہیں کہ آپ جھگڑے کو زیادہ طول دیں ۔ آپ کو معلوم ہے کہ پولیس افسر کو فرائض منصبی ادا کرنے سے روکنا جرم ہے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو تلاشی لینے میں امداد دیں گے اور اپنے بیانات قلمبند کرا دیں گے ۔"

"میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لکھتا ہوں" بیرسٹر صاحب نے کہا ۔

"میں اس عرصہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہونیکی کوشش کرتا ہوں" یہ کہکر سپاہی کو آواز دی ۔

"آپ خوب سمجھ لیجئے کہ میری توہین ہو رہی ہے اور آپ کو جب تک سپرنٹنڈنٹ پولیس کا جواب نہ آجائے قانوناً رکنا پڑیگا" بیرسٹر صاحب نے کہا ۔

"میں معافی چاہتا ہوں کہ میں انتظار نہیں کر سکتا اور بہتر ہوتا کہ آپ اس معاملہ کو طول نہ دیتے ۔"

اتنے میں موٹر کی آواز آئی اور عامد صاحب وارد ہوئے ۔ سیدھے کمرہ میں گھسے چلے آئے اور سب انسپکٹر صاحب اور بیرسٹر صاحب کو پایا ۔ سب انسپکٹر صاحب نے عامد سے کہا یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ آگئے ۔ براہ کرم بیرسٹر صاحب کو سمجھا دیجئے ۔

"آخر کیا معاملہ ہے ؟" عامد نے دریافت کیا ۔

"آپ خود بیرسٹر صاحب سے دریافت کر لیجئے ۔ میں علیحدہ ہوا جاتا ہوں" یہ کہکر وہ باہر آگئے اور برآمدہ میں بیٹھ گئے ۔

حامد نے بناوٹ کیساتھ تعجب سے بیرسٹر صاحب کو دیکھا جنکی عجیب ہی حالت تھی اور کچھ پوچھنے ہی والے تھے کہ تھانیدار صاحب پھر کمرہ میں گھس آئے۔ اور حامد صاحب سے کہا کہ ذرا میری بات سُن لیجئے۔ پہلے میں آپ کو سب حال سنا دوں۔ بیرسٹر صاحب کا بس نہ تھا کہ وہ سب انسپکٹر صاحب کو اس سے باز رکھتے۔ سب انسپکٹر صاحب نے حامد کو ذرا علیحدہ لیجا کر سب حال سنایا اور خطوط دکھائے۔ بیرسٹر صاحب یہ سب بناوٹی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ اسکے بعد پھر سب انسپکٹر صاحب کمرہ سے باہر چلے گئے۔

حامد کا جی تو چاہتا تھا کہ اسوقت بیرسٹر صاحب سے انکی شکار والے روز کی حماقت کا بدلہ لیکر اُن کو جھک کر سلام کرے مگر اسطرح کھیل بگڑ جاتا۔ اسنے بیرسٹر صاحب کی صورت اور موقعہ کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

کوئی تدبیر تم ہی نکالو اور اسکو دفان کرو" کچھ خاموشی کے بعد بیرسٹر صاحب بولے

حامد سب انسپکٹر صاحب کے پاس آئے اور پھر بیرسٹر صاحب کے پاس واپس جاکر کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں کسی طرح بغیر وہ خطوط لئے نہیں جاسکتا۔ حامد نے بہت کچھ انسانی مروت اور ہمدردی کا واسطہ دیا تھا اور سب انسپکٹر صاحب کو خود ہمدردی تھی مگر وہ مجبور تھے کیونکہ یہ معاملہ خود افسر اول یعنی انکے تھانہ کے بڑے سب انسپکٹر کے ہاتھ میں تھا۔ دوسری تجویز بیرسٹر صاحب نے یہ کی تھی کہ بھی رشوت دے کر ان کو ٹالدو۔ سب انسپکٹر صاحب بھی اب آگئے اور حامد نے بیرسٹر صاحب کے سامنے ان سے سفارش کی اور کہا کہ شہر کے ایک بڑے رکن کی عزت کا معاملہ ہے آپ اس معاملہ میں نرمی اور رعایت سے کام لیجئے اور کہ دیجئے گا کہ

تلاشی پر کچھ برآمد نہیں ہوا۔

"واہ جناب آپ مجھے پھنسانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ خطوط بیرسٹر صاحب کے لکھے ہوئے ہیں تو وہ خطوط یہاں نہ نکلیں یہ ناممکن ہے اور ہر شخص میرے اوپر شبہ کرے گا اور میں کہیں کا نہ رہونگا۔"

"معاف کیجئے گا ہم آپ کی جو کچھ بھی روپیہ پیسہ سے خدمت ممکن ہو کرنے کو تیار ہیں۔" حامد نے کہا۔

حامد صاحب مجھے بڑا افسوس ہے کہ آپ اسطرح مجھکو ذلیل کرتے ہیں۔ میرے امکان میں ہوتا تو میں ویسے ہی آپ کی اور بیرسٹر صاحب کی خدمت کرتا مگر یہ معاملہ تو اسٹیشن افسر سے متعلق ہے۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ وہ کچھ لے دے کر معاملہ رفع دفع کردیں گے" حامد نے پوچھا

"میں کہہ نہیں سکتا یہ آپ خود ان سے دریافت کریں تو بہتر ہے۔"

"اچھا آپ صرف اتنا بتا دیں کہ کیا وہ معاملات میں لیتے ہیں"۔ حامد نے پوچھا

"ہاں وہ ضرور لیتے ہیں مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس معاملہ میں انکی کیا رائے ہے۔" سب انسپکٹر صاحب نے کہا۔

"بس تو انسانی ہمدردی اگر آپ میں کچھ بھی ہے تو یہ معاملہ طے کرا دیجئے" حامد نے کہا

"میں وعدہ نہیں کرتا مگر ہاں اُن سے انتہائی کوشش کردونگا۔ مانیں یا نہ مانیں۔ اسکا میں ذمہ دار نہیں۔ مگر آپ کو وہ تمام خطوط اور تحریر کا نمونہ ضرور دینا پڑیگا۔

"ہم ابھی دے دیں گے مگر آپ امداد کا وعدہ کریں۔ جو رقم بھی آپ اس معاملہ میں طے کرا دینگے وہ ہم انکی نذر کردیں گے۔"

چنانچہ یہ معاملہ طے ہوگیا اور بیرسٹر صاحب خطوط لینے اُٹھے تو سب انسپکٹر صاحب بھی انکے ساتھ اٹھے اور کہا کہ جناب کوئی خط ضائع نہ ہو میرے سامنے نکالئے۔ مجبوراً سب خطوط اور اپنی تحریر کا نمونہ بیرسٹر صاحب کو دینا پڑا۔ سب انسپکٹر صاحب نے یہ چیزیں قبضہ میں کرکے مختصر سے بیرسٹر صاحب کے بیان تحقیقاتی لئے۔ جسمیں بیرسٹر صاحب نے ہر بات سے انکار کیا۔

چلتے وقت تک سب انسپکٹر صاحب سے پختہ وعدہ ہی نہیں لیا۔ بلکہ حامد انکے ساتھ تھانہ پر گئے اور معاملہ یوں طے ہوا کہ پانچ سو روپیہ بیرسٹر صاحب رشوت دیں۔ حامد واپس آئے اور سب انسپکٹر صاحب کی سفارش اور کوشش کا حال بیان کرکے کہا کہ اسٹشن افسر تو کسی طرح دو ہزار سے کم نہیں کرتا تھا

"واقعی سب انسپکٹر صاحب بڑے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر کیا معاملہ واقعی رفع دفع ہو جائیگا"؟

"قطعی رفع دفع ہو جائیگا۔ سب انسپکٹر صاحب سے مجھ سے معمولی سی ملاقات تھی مگر بھئی آج انہوں نے وہ کام کیا ہے کہ میں عمر بھر شکر گذار رہوں گا۔ اور میں انکی بہت جلد ہی ایک دعوت کرونگا" حامد نے کہا۔

"ضرور کرنا چاہیے۔ واقعی انہوں نے میری عزت بچالی" بیرسٹر صاحب بولے۔ بھئی حامد معاف کرنا مگر تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے دوست کی بیوی کیسی ہیں"

"میں انکو خوب جانتا ہوں مگر سچ بتانا کہ کیا خطوط ہی تک دوستی محدود رہی یا....."

"اب یہ مجھ سے نہ کہلواؤ" بیرسٹر صاحب نے کہا" وہ تو محض اتفاق تھا کہ شاید میرا کوئی خط پکڑا گیا۔ مگر میں تم سے آج کہے دیتا ہوں کہ وہ عورت اُن کے پاس اب رہیگی نہیں"

"کیوں"

"اسلئے کہ وہ اب میری ہوچکی"

بیرسٹر صاحب نے بہت ہی جلد مبلغ پانچسد روپیہ سب انسپکٹر صاحب کی خدمت میں ارسال کرا دیے۔

اس واقعہ کو پندرہ بیس روز ہو چکے تھے اور بیرسٹر صاحب کی ہم سے بالکل ملاقات بند تھی۔ حامد کے یہاں آج بہت پرتکلف ڈنر تھا۔ اور لطف یہ کہ ہماری بیوی اور ہم دونو مدعو تھے۔ دراصل یہ ڈنر حامد کے دوست سب انسپکٹر صاحب کی خاطر تھا۔ ہم اور ہماری بیوی سرشام ہی سے حامد کے یہاں جا دھمکے۔ ہماری بیوی تو زنانخانہ میں حامد کی ماں اور بہنوں کو دعوت کے انتظام میں امداد دینے کو جا بیٹھی اور ہم اور حامد باہر گپیں ٹھوک رہے تھے۔

بیرسٹر صاحب بھی آئے اور ہم کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئے۔ ہم ان سے بہت اچھی طرح ملے۔ اور لطف تو جب آیا کہ ہماری بیوی بھی آ گئی۔ کمرہ میں صرف ہم اور ہماری بیوی اور حامد تھے۔ ہماری بیوی نے دوڑ کر بیرسٹر صاحب سے مصافحہ کیا۔ انکا مزاج پوچھا۔ اور ان سے عرصہ سے ملاقات نہ ہونے کی شکایت

کی۔ بیرسٹر صاحب کا عجیب حال تھا اور انکی عقل کام نہ کر رہی تھی، کہ الٰہی یہ کیا ماجرہ ہے۔ خیر کچھ بھی ہو مگر وہ بھی مناسب باتیں کرتے رہے۔ ہماری بیوی خوش مزاجی اور باتوں کا اسوقت خزانہ ہو رہی تھی۔ اور تمام تر اسکی توجہ بیرسٹر صاحب کے اوپر تھی۔ مگر بیرسٹر صاحب کا کچھہ عجیب ہی حال تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہماری بیوی گھر میں چلی گئی۔ ہم دو ایک مہمانوں سے باتیں کرتے باہر چلے گئے۔ بیرسٹر صاحب نے تعجب سے حامد سے ہماری اور ہماری بیوی کی موجودگی اور پھر اس قسم کے عمدہ برتاؤ کی وجہ پوچھی۔ حامد نے کہا کہ تمکو دعوت کے بعد ہی خود معلوم ہو جائیگا۔ بیرسٹر صاحب بہت خوش تھے اور حامد سے انہوں نے اس عجیب و غریب معاملہ کو سلجھانے کی بہت کوشش کی مگر حامد نے نہ بتانا تھا نہ بتایا۔

(۴)

دعوت وہ پر تکلف تھی کہ عرصہ سے ایسی دعوت کھائی کیا بلکہ دیکھنے میں نہ آئی ہوگی۔ قریب چالیس مہمان تھے اور ملنے جلنے والوں یاروں دوستوں اور احباب میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو موجود نہ ہو۔ طرح طرح کے انگریزی اور ہندوستانی کھانے تھے اور وہ بھی اسقدر بیشمار کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کھاؤ اور کیا نہ کھاؤ۔ دعوت بڑے لطف کے ساتھ ختم ہوئی اور دعوت کے ختتام پر حامد نے سب سے پہلے ہماری بیوی کا جام صحت تجویز کیا۔ اسپر ایک قہقہہ لگا اور لوگ اسکی نوعیت سمجھنے سے قاصر رہے۔ حامد نے کہا کہ اچھا آپ لوگ اس پر اتنا تعجب کرتے ہیں تو جانے دیجئے اور میری استدعا پہ اس دعوت کا

شکریہ ادا کیجئے۔ اسپر کئی صاحبان ہنسنے لگے اور حامد کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ کہ واقعی ہم شکرگذار ہیں کہ آپنے ایسی پرتکلف دعوت کی۔ حامد نے فوراً کہا کہ حضرت آپ میرا غریب کا شکریہ کیوں ادا کرتے ہیں آپ درحقیقت بیرسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیجئے۔ لوگ ہنسنے لگے اور بیرسٹر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ دس پانچ کو پہلے ہی سے حامد نے سکھا رکھا تھا۔ انھوں نے بیرسٹر صاحب کا اتنا شکریہ ادا کیا کہ بیرسٹر صاحب بھی چکرا گئے۔ اتنے میں ایک منصف صاحب زور سے چلا کر بولے کہ بھئی آخر کیا معمہ ہے جس سے آدھے لوگ واقف معلوم ہوتے ہیں اور پورا لطف اٹھا رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں اور بقیہ بیوقوف بن رہے ہیں۔

حامد نے اس پر سب کو خاموش کر کے اصل قصہ سنایا۔ زحل دیکھنے بیرسٹر صاحب جب درخت پر چڑھے تھے تو کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لہذا وہ خط ہماری بیوی کا حامد نے پڑھکر سنایا اور ناظرین سے کہا کہ اب کہیئے کہ بیرسٹر صاحب کیونکر زحل کا طلوع نہ دیکھتے۔ بیرسٹر صاحب کا عجیب حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ اس پورے قصہ کو ختم کرنے کے بعد سب انسپکٹر صاحب کی کوششوں کا حال سنایا اور پانچ سو روپیہ وصول ہونے کا ذکر کر کے کہا کہ جناب پانچ سو روپیہ میں سے اسی روپیہ گیارہ آنے دعوت میں خرچ ہوئے۔ چار سو انیس ۴۱۹ روپیہ پانچ آنے یہ حاضر ہیں۔ جو بیرسٹر صاحب کو واپس کئے جاتے ہیں۔ اور آپ سب صاحبان بیرسٹر صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیجئے۔ اس پر تو وہ لطف

آیا کہ باید و شاید۔ جن کو پیشتر سے بتا دیا تھا۔ انھوں نے بیرسٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتے کرتے ناک میں دم کر دیا۔ بیرسٹر صاحب فوراً ہی بھاگ گئے اور کسی طرح نہ رُکے۔ بہت دیر تک اسی واقعہ پر آپس میں باتیں ہوئیں اور ہماری بیوی کے تمام دوسرے قصے دُہرائے گئے۔ اس دعوت میں بہت سے لوگوں کو ہماری بیوی کی طرف سے خیالات بدلنا پڑے۔ قصہ مختصر دعوت زور کی رہی۔

افسوس کہ بیرسٹر صاحب اس قدر اس مقام سے بیزار ہوئے کہ اپنی جمی جمائی پریکٹس کو چھوڑ کر اس واقعہ کے بعد ہی وطن چلے گئے۔ اور پھر ڈیڑھ برس تک تو ہم وہاں رہے۔ مگر جب تک تو آئے نہیں +

آٹھواں باب

غلط فہمی

ہم اپنی بیوی سے صبح یہ کہکر گئے تھے کہ نو دس بجے تک واپس آجائیں گے۔ مگر مچھلی کا شکار بھی کیا لغو چیز ہے۔ بجائے نو بجے کے گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں بارہ بجے کے بعد گھر پہونچے۔ شکار میں ہمیں وہی کامیابی ہوئی جو عموماً مچھلی کے شکاریوں کا حصہ ہے۔ پریشان بھی ہوئے اور کچھ نہ ملا۔ بھوکے پیاسے جلتے بھنتے گھر پہونچے۔ نہا دھو کر کمرہ پر جو پہونچے تو ملازمہ نے کہا۔ بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کرتے کرتے ابھی سوئی ہیں۔ ہم فوراً دوسرے کمرہ میں گئے اور کھانا کھایا۔ ہاتھ دھو کر سگرٹ سلگایا اور سیدھے کمرہ میں پہونچے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ ہم جنت میں آگئے۔ تین طرف خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور بجلی کا پنکھا اندرون میں چل رہا تھا۔ ہماری شریر بیوی سو رہی تھی۔ چنانچہ ہم بھی اپنے پلنگ پر پڑ کر سو رہے تھکے ہارے تو تھے ہی۔ ایسے سوئے کہ تن بدن کی ہوش نہ رہی۔

کچھ عرصہ بعد ہم نے منہہ پر ٹھنڈک سی محسوس کی۔ آنکھ کھلی تو بیگم صاحبہ کو شرارت کرتے ہوئے پایا۔ یعنی برف کا ٹکڑا لیکر ہمارے منہ پر مل رہی تھیں

موچھوں کا ان کو پتہ بھی نہ تھا۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ مقطع اور رعب دار چہرہ اور اسپر یہ شرارت ہمیں بے اختیار ہنسی آئی۔ جسکی ہم نے خوب ہی داد دی۔ اُٹھ کر ہم نے دروازہ کھولا۔ شام ہونے کو آئی تھی۔ اتنے میں ایک ملازمہ آئی اور اسنے جو اپنی مالکہ کے رعب دار چہرہ کو دیکھا تو ہنستی ہوئی بھاگی۔

"کیوں ہنستی ہے" ہماری بیگم صاحبہ نے خفا ہو کر پوچھا۔ مگر وہ واپس نہ آئی۔ غصہ میں موچھیں عجیب بہار دے رہی تھیں۔

اتنے میں دوسری ملازمہ آئی اور دروازہ پر پیر رکھتے ہی اُسنے کہا۔ "کیا آپ مجھے بلاتی ہیں" یہ کہ کر اسنے بھی اپنی مالکہ کا بارعب چہرہ دیکھا اور وہ بھی ہنسی کو ضبط کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ہماری بیوی بولی "آج معلوم ہوتا ہے انکی شامت آئی ہے"

ہم نے کہا "آج ہمیں بھی ڈر لگ رہا ہے" بیوی کچھ نہ سمجھی اور ہم نے ہنسی میں شرکت فضول سمجھی اور اٹھ کر باہر چل دیئے۔

(۱)

گھنٹہ بھر بعد جو ہم گھر میں آئے تو معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ نہا کر نکلی ہیں۔ اور آئینہ والی میز پر کنگھی کر رہی ہیں۔ ہم کمرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے دیکھا کہ قد آدم آئینہ میں دیکھ دیکھ کر پنکھے کی ہوا سے بال خشک کئے جا رہے ہیں۔ بال اڑا اڑ کر ہمارے لئے عجیب کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ اور ہم محو دیدار تھے۔ کہ ہماری آنکھیں آئینہ میں چار ہوئیں۔ مڑ کر ہماری طرف دیکھا مگر فوراً ہی پھر منہ موڑ لیا۔ کہ قریب پہونچے اور کھڑے ہوئے مسکرا رہے

تھے۔ جیسے ہی نظر سے نظر ملی تو غصہ بھری نظریں ہماری طرف ڈالیں۔ اور جونہی مسکراہٹ آئی تو اسکو دبا کر اور ماتھے پر شکنیں ڈال کر ترشروئی سے کہا اس قسم کی حرکتیں ہمیں پسند نہیں ہیں"

ہم نے کہا "کیوں کیا ہوا"۔

ایسے مذاق سے کیا فائدہ کہ تمام نوکرانیاں ہنستی پھریں"

"ہم نے کوئی مذاق نہیں کیا۔ ہم نے تصنع سے کہا۔

"تو پھر یہ آخر کیا تھا۔

"آج جب ہم استرا لیکر حسب معمول بیٹھے تھے تو تم نے ہی تو کہا تھا کہ ہمیں مونچھیں بہت پسند ہیں۔ ہم نے دل میں سوچا کہ ہمیں تو پسند نہیں کیونکہ ہم روزانہ انکو صاف کر ڈالتے ہیں۔ مگر چونکہ ہماری بیوی کو پسند ہیں تو لاؤ ذرا اسکی مونچھیں ہی بنا دیں"

یہ سنکر غصہ رفو چکر ہو گیا اور ہماری بیوی نے ہماری شرارت کو پسند کرتے ہوئے ہنسکر کہا" تو ہمارا یہ مطلب کب تھا مونچھیں تم رکھو"

ہم نے تصنع کیساتھ کہا" لاحول ولا قوۃ۔ تم نے پیشتر ہی اگر بتا دیا ہوتا تو ہم یہ غلطی ہی کیوں کرتے"

ادھر اُدھر کی مطلب کی دو تین باتوں کے بعد ہم نے اپنی بیوی کو ایک گلاس انار کا شربت پلایا اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے۔ مزدوری وصول کرنیکے بعد ہم نے کہا "کیوں دوست ہمارا ایک کام کرو گے"

"پھر تم نے وہی مردانی بولی سے مجھے مخاطب کیا! کیا کام ہے"

ہمارے ایک ہندو دوست آرہے ہیں انکے کھانیکا انتظام۔ انتظام خاص۔ اور وہ یہ کہ اپنے ہاتھ کی کوئی چیز انکو ضرور کھلانا۔

کون صاحب ہیں؟ ایسے تو نہیں ہیں مگر ہاں رات بھر ان سے بھی ہم باتیں کریں گے"

"یہ تم آخر رات بھر باتیں کرتے ہو"؟ بیوی نے کرید کر پوچھا۔

"اِن سے تو زیادہ تر تمہاری شرارتوں کی باتیں کرینگے"؟ ہم نے ہنسکر کہا۔

"یہ غلط ہے۔ تم بدچلن آدمیوں سے ملتے ہو۔ آخر بتاؤ تو سہی کہ گلاب چند سے تم کو کیوں اتنی محبت ہے؟ وہ شخص جو بازاری عورتوں میں تمھیں لے جائے ہرگز ملنے کے لائق نہیں"

ہم صحیح کہتے ہیں کہ یہ جو آرہے ہیں ان سے سوائے تمہارے یا خود انکی بیوی کی باتیں کرینکے اور کچھ تو نہیں کریں گے۔ تم خود جانتی ہو کہ اگر ہمیں تم سے جھوٹ ہی بولنا ہوتا تو ہم تم سے کہتے ہی کیوں؟"

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اگر تم کسی رنڈی کے یہاں جاؤگے تو ہم سے ضرور کہدوگے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یار دوستوں کے ساتھ زبردستی چلے جاتے ہو مگر آخر پھر اسکا نتیجہ کیا ہوگا" بیوی نے کچھ متانت سے کہا۔

"کچھ نہیں نتیجہ کیا ہوسکتا ہے۔ تم خود جانتی ہو کہ میں تمہارا ہوں اور خواہ میں دن رات بازاری عورتوں ہی میں رہوں تب بھی کوئی فرق نہ ہوگا"

"یہ تو میں جانتی ہوں اور تم بالکل ٹھیک کہتے ہو مگر میں پھر بھی یہ نہیں چاہتی۔ اچھا جیسا ہوگی ویسا کریں گے۔ مگر ان دوست کی ہم انتہائی خاطر چاہتے ہیں

(۲)

رات کا کھانا ہم نے اپنے کمرہ میں کھایا۔ کھانا کھا کر ہم اپنے دوست سردار سندر سنگھ سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بجلی کی روشنی چونکہ تیز تھی۔ لہذا ہم کمرہ کے اُس دروازہ میں بیٹھے تھے۔ جو سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ اس کمرہ کے بیچ کے دروازہ کے سامنے ہی ایک بڑی الماری رکھی تھی۔ جسمیں قد آدم آئینہ لگا تھا۔

ایک دم سے ایک خادمہ آئی اور اسنے سر ڈال کر جھانکا ہی تھا کہ فوراً لوٹ گئی۔ ہم چونکہ سردار صاحب سے باتوں میں مشغول تھے۔ لہذا اسطرف غور نہ کیا۔ ملازم سے آواز دیکر پان کا تقاضا کرایا۔ اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔

ہماری بیوی نے پان بنا کر ملازمہ کے ہاتھ بھیجے تھے کہ اتنے میں وہی ملازمہ۔ ہانپتی کانپتی دوڑی آئی۔ پان کی تھالی رکھ کر بولی۔ "بیگم صاحبہ غضب ہو گیا"

"کیوں کیا ہوا" بیوی نے گھبرا کر پوچھا

اسنے کہا "میں پان لیکر جو پھونچی تو مجھکو کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے خیال کیا کہ کمرہ میں ہو گا۔ کمرہ کے دروازہ پر ہی پھونچی تھی کہ بیگم صاحبہ بس کیا بتاؤں کہ کیا دیکھا"

"اری کمبخت آخر کیا دیکھا"؟

"کمرہ میں کوئی عورت کھڑی تھی۔ بس میں الٹے ہی پاؤں تو بھاگی"

"جھوٹی کمبخت دیوانی ہے۔ عورت بھلا کہاں سے آئی"

"اگر یقین نہ آئے تو کسی اور کو بھجوا کر دکھا لیجئے"

ہماری بیوی نے فوراً دوسری کو بھیجا۔ وہ بھی اسی طرح دوڑی آئی۔ اور تصدیق کی۔ صورت شکل یا کپڑے کے بارہ میں کچھ تفصیل ہماری بیوی کو معلوم نہ ہوسکی۔ کیونکہ دونوں عورتیں فوراً ہی ایک جھلک دیکھکر بھاگ آئی تھیں۔

ادھر ہم ایسے باتوں میں مشغول تھے کہ کچھ خبر ہی نہ تھی۔ دوسری عورت جو پھر اُسی طرح جھانک کر چلی گئی تو ہم نے ملازم کو آواز دی کہ پان لاؤ۔

ملازم پان لینے چلا کہ ملازمہ نے راستہ ہی میں اسکو پکڑا کہ چلو بیگم صاحبہ بلاتے ہیں۔ غریب ملازم قسمیں کھا رہا تھا کہ بیگم صاحبہ کوئی عورت نہیں ہے۔ مگر بیگم صاحبہ کو کیسے یقین آتا۔ جب کہ دو عینی شہادتیں موجود ہوں۔ قصہ مختصر ہماری طلبی ہوئی۔"

ہم سردار صاحب سے اجازت لے کر گئے تو بیوی کو علیحدہ ٹہلتے ہوئے پایا۔ ہم نے حسب عادت کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ دوست کیا ہے؟"

بجائے اسکے کہ کوئی جواب ملتا ہماری بیوی رک گئی۔ ہم نے دیکھا تو چہرہ مغموم اور ملول تھا۔ قبل اسکے کہ ہم کچھ کہیں ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہا "میں نے تمہاری کیا خطا کی ہے؟ مجھ سے کیوں خفا ہو گئے؟ یہ کہکر ہمارے سینہ پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ ہم اسکے لئے قطعی تیار نہ تھے۔ گھبرا کر ہم نے کلیجہ سے لگا کر کہا "خدا کے واسطے کچھ کہو تو۔"

اُسنے آنسو پوچھتے ہوئے کہا "یہ باہر کمرہ میں عورت کون بیٹھی ہے؟"

ہمیں ہنسی آئی اور ہم نے متعجب ہو کر کہا "تم کیا بک رہی ہو؟"

"میں بک نہیں رہی ہوں بلکہ صحیح کہہ رہی ہوں" بیوی نے زور دیکر کہا

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ صحیح کام نہیں کر رہا ہے۔"

"میرا دماغ صحیح کام کر رہا ہے۔"

"ہماری عقل چرخ تھی مگر ہم نے مسکرا کر کہا" بالفرض اگر بیٹھی بھی ہے تو تمہاری بلا سے۔"

بخدا کوئی ہرج نہیں۔ جسمیں تم خوش اسمیں میں خوش اور میرا خدا خوش جاؤ شوق سے رات بھر باہر رہو۔ مگر میرے دل پر چوٹ جو لگی تو اس بات پر کہ آخر بہانہ کرنے سے کیا فائدہ۔ پیشتر ہی کہ دیتے کہ ایک دوست معہ رنڈی کے آئینگے اور میں رات بھر باہر رہوں گا" یہ الفاظ بیوی نے پر درد لہجہ میں کہے

"آخر تمہیں یہ ..... اتنا ہی ہم کہنے پائے تھے کہ جملہ کاٹ دیا۔ اور پھر ائی طرح کہا۔

"میں ان عورتوں میں نہیں ہوں جو میاں کو خواہ مخواہ تنگ کریں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم میرے ہی ہو۔ خواہ بد چلنوں میں بیٹھو۔ خواہ نیک چلنوں میں۔ میں اگر تم کو روکوں گی تو خوشامد اور خدمت سے نہ کہ لڑ کر۔ مگر افسوس تو مجھکو اپنی قسمت پر آتا ہے کہ تم نے میری قدر نہ کی۔ مجھ کو کم ظرف سمجھا اور مجھ سے سچ سچ نہ کہا۔ یہ تو تمہارے دوست کی رنڈی ہے۔ اگر کہیں خدا نہ کرے تمہاری بلائی ہوتی تو کیا میں اس کی یا تمہاری خدمت نہ کرتی۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو مگر بخدا اگر ایسا ہوا تو تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔" اتنا کہنے ہی پائی تھی کہ اسکی آواز جذبات کے تلاطم سے گھٹ گئی۔ اور پھر سسکیاں لے کر رونا شروع کیا۔

ہم سخت چکر میں تھے کہ الٰہی کیا ماجرہ ہے۔ بیوی کو ہم نے گلے لگایا اور چمکارا۔ اور رسید سے چھت پر سے گئے۔ وہاں جو ہم نے قصہ سنا تو ہم دنگ رہ گئے۔ اور دونوں نوکرانیوں کو بلایا اور دریافت حال کے بعد ان کو رخصت کر کے بیوی سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نوکرانیاں جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔ مگر ان کو کچھ دھوکا ہوا ہے۔ ہم نے تم سے جھوٹ ہرگز نہیں بولا اور نہ بولیں گے۔ ہم سچ کہتے ہیں اور تم یقین کرو کہ کوئی عورت کمرہ میں نہیں ہے۔ شاید انھوں نے کسی عورت کو کہیں اور دیکھا ہے۔"

"میرا مذہب اور دین اور ایمان سب تم ہی ہو۔ بخدا جو تم کہو وہ سچ ہے مجھ کو قطعی یقین ہے کہ وہاں کوئی عورت نہیں محض اس وجہ سے کہ تم ایسا کہتے ہو۔" بیوی نے بظاہر یہ راضی ہو کر کہا۔

ہم سردار صاحب کے پاس آئے اور غیر معمولی دیر کی وجہ بیان کی۔ ہماری عقل نہ کام کرتی تھی کہ الٰہی یہ عورتوں کے دماغ میں کیا خلل آگیا۔ جو انکی آنکھوں کے سامنے رنڈی کی خیالی تصویر آگئی۔ رات گئے تک ہم سردار صاحب سے باتیں کرتے رہے۔ ارادہ تو ہمارا یہی تھا کہ ہم باہر ہی سوئیں مگر رات کے واقعہ کی وجہ سے ہم نے خیال کیا کہ ہم اپنی بیوی سے باتیں کرلیں تو بہتر ہے۔

(۳)

ہم چھت پر پہونچے تو بیوی کو سوتے ہوئے پایا۔ یہ ناممکن تھا کہ ہم میں کوئی ایک دوسرے کو سوتے دیکھ پائے۔ اور کچھ شرارت نہ کرے۔ کیونکہ

اس معاملہ میں ہماری بیوی کی طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ ہم نے قطعی طے کر لیا کہ بیوی کی فاختہ اڑائی جائے۔ چنانچہ ہم نے پانی کی دو تین بوندیں ناک میں جو ڈالیں تو بیوی ہنستی کھانستی اور چھینکتی اٹھی۔ بیوی نے کہا کہ ایک ملازمہ پھر گئی تھی اور پھر آ کر اُسنے یہی کہا تھا کہ عورت کمرہ میں ہے

"تو پھر تم نے کیا کیا؟" ہم نے تعجب سے پوچھا

"میں کرتی کیا۔ خوب ڈانٹا کہ جھوٹی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر دونوں نے صلاح کر کے ایسا جھوٹ بنایا۔ مجھ سے تو تم نے کہدیا بس کافی ہے۔ اگر میں خود بھی آنکھوں سے دیکھ لوں جب بھی تمہیں جھوٹا نہ مانونگی"۔

ہم نے متاثر ہو کر بیوی سے صرف اتنا کہا "تم بڑی اچھی ہو"

ہم دونوں تھوڑی دیر تک یہی باتیں کرتے رہے کہ آخر ان نوکرانیوں کو کیا سوجھی کہ ایسی بے بنیاد بات کہدی اور پھر اس پر قائم ہیں۔ بیوی ان کو نکالنے کو کہتی تھیں مگر ہمارا خیال تھا کہ وہ ضرور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

سردار سندر سنگھ خوبصورت جوان نہیں بلکہ ایک حسین اور خوشرو جوان تھے خدا کی شان ہے کہ کچھ عقل نہ کام کرتی تھی کہ انکو بھی کیسا حسن ملا تھا۔ لوگوں کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ انمیں زنانہ حسن کا عنصر غالب ہے یا مردانہ حسن کا گورا چمکتا ہوا رنگ بدن نہایت ہی نازک اور اکھرا۔ قد نہایت ہی موزون آنکھیں ناک۔ ہونٹ اور دانت غرضکہ کل چہرہ اسقدر سُبک اور حسین کہ جو دیکھتا تعریف کرتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ کمر کمر تک ریشم کی طرح ملائم بال انکے زنانہ

حسن کی تکمیل کرتے تھے۔ مگر انکی ڈاڑھی! خدا کی پناہ! ماشاءاللہ ڈیڑھ بالشت کی ڈاڑھی نہیں بلکہ ڈاڑھا تھا۔ یہی ایک ایسی چیز تھی جو انکے زنانہ حسن کو دبانے کی اور مغلوب کرنے کی ناکام کوشش کرتی تھی۔ کیونکہ سب کی متفقہ رائے یہی تھی کہ اسقدر لمبی داڑھی کو بھی اس مقصد میں ذرا بھی کامیابی نہیں ہوتی اپنی داڑھی وہ سمیٹ کر ریشمی جالی سے اسطرح باندھ لیتے تھے کہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ معمولی خشخشی داڑھی ہے۔ محض انکی ڈاڑھی ہی ایک ایسی چیز تھی۔ جو انکو ایک حسین مرد بنا دیتی تھی۔ لیکن پھر بھی زنانہ حسن کا عنصر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں غالب ہی رہتا تھا۔ کیونکہ آپس کے یار دوست اُنکے زنانہ حسن کی اتنی تعریف کرتے تھے کہ وہ جھینپ جھینپ جاتے تھے اور کہا کرتے کہ اگر کہیں میری ڈاڑھی نہ ہوتی تو شاید مجھ سے یار دوستوں کے مذاق کا جواب ہی دیتے نہ بن پڑتا۔

صبح ہماری آنکھ ذرا دیر سے کھلی۔ اٹھکر ہم باہر پہونچے۔ سردار صاحب غسل خانہ میں تھے۔ ہم برآمدہ میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سردار صاحب نہا کر مسکراتے ہوئے نکلے۔ ڈیڑھ بالشت کی داڑھی اس خوبصورت چہرہ پر عجیب بہار دے رہی تھی۔ ایک سفید دھوتی تہبند کی طرح باندھے ہوئے تھے۔ اور آدھی اوڑھے ہوئے تھے۔ جس سے سارا بدن سوائے کہنیوں تک ہاتھوں کے اور سر کے کھلا ہوا تھا۔ انکے لمبے اور ریشمی بال کمر تک لٹک رہے تھے۔ ہماری کرسی ہی کے پاس میز تھی۔ جس پر آئینہ رکھا تھا۔ وہ کرسی کے برابر آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر بال پوچھنے لگے۔ اور بولے کہ بھئی تم اپنی بیوی سے کب ملاقات کراؤ گے؟

ہم نے ہنستے ہوئے اور انکے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا جو ہمارے سامنے ہی لٹک رہے تھے کہ "سردار صاحب ہمارا تو یہ ارادہ تھا کہ آپ سے کل ہی ملاقات کرادیں - مگر بدقسمتی سے یہ ارادہ بدل دینا پڑا - اور اب شاید ملاقات قطعی نہ کرا سکیں "

"بھئی یہ کیوں" ؟ سردار صاحب نے اپنے ریشمی بال جھٹکتے ہوئے ایک عجیب ادا سے کہا -

رات کا واقعہ آپ کو معلوم ہے - آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہماری بیوی نے بھی کسقدر مشکوک طبیعت پائی ہے "

تو آخر اس سے کیا مطلب "؟ سردار صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا -

اجی حضرت تمام نوکرانیاں یہی کہہ رہی ہیں کہ آپ کی داڑھی مصنوعی ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری بیوی کہیں آپ سے جلنے نہ لگیں - لہٰذا بہتر ہے کہ ملاقات نہ ہو "

سردار صاحب نے ایک قہقہہ لگا کر کہا " شکریہ - تسلیم تسلیم " بھئی میری اسقدر بڑی تو داڑھی ہے اور بات تو یہ ہے کہ اس داڑھی پر تمہارا کوئی فقرہ چست ہی نہیں ہوسکتا "

ہم نے ہاتھ میں بال لیتے ہوئے کہا ؎

صید از حرم کشد خم جعد بلند تو ☆ فریاد از تطاول شکیں کمند تو

صورت اور شکل اور انہیں کہاں لیجاؤ گے ؟

اتنا ہی کہا تھا کہ ملازم آیا اور اسنے ہم سے کہا کہ آپ کو اندر

کسی بہت ضروری کام سے بلایا ہے۔ ہم فوراً اٹھ کر گئے معلوم ہوا کہ اوپر ہیں وہاں جو پہونچے تو سب سے پہلے دونوں خادمائیں آنکھیں پھاڑے متوحش اور ششدر ملیں۔ الٰہی خیر تو ہے! ہم نے دل ہی میں کہا اور کمرہ میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ بیوی صاحبہ تکیہ سے منہ چھپائے پڑی ہیں۔ پاؤں کی آہٹ پا کر سر جو اٹھایا تو ہم دیکھتے ہی حیران تھے۔ رنج والم سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم بیحد پریشان ہوئے اور پاس بیٹھ کر ہم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مضطرب ہو کر کہا "میری جان تمہیں کیا ہوا! خیر تو ہے" روتے ہوئے بیوی نے جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ میرے دن اب قریب آ گئے"

متوحش ہو کر ہم نے پھر کہا "خیر تو ہے۔ آخر کیا ہوا"

"تمہارا اعتبار جب میرے اوپر سے اٹھ گیا تو میں کیونکر زندہ رہ سکتی ہوں اگر کسی بازاری عورت سے تم ملو اور مجھ سے کہدو تو خیر کچھ نہیں۔ لیکن وہ گھر میں آئے اور تم مجھ سے چھپاؤ تو اسکے یہی معنی ہیں کہ میری موت قریب ہے۔ مجھ کو اب تک فخر تھا کہ میں تمہاری رازدار ہوں مگر خدا ......"

اتنا کہ کر آواز گھٹ گئی۔ اور پھر بُری طرح منہ چھپا کر رونا شروع کیا۔ ہم سخت چکر میں تھے کہ الٰہی یہ کیا مصیبت ہے۔ اور ہم نے کچھ پریشان ہو کر کہا۔ یہ کیا مصیبت ہے! کیا مجھ کو پاگل بنا دو گی؟ آخر یہ معمہ کیا ہے؟ کیسی رنڈی اور کیسی منڈی یہاں کہاں ہے؟

بیوی نے آنسو پوچھ کر اور آنکھیں چار کر کے کہا۔ کیا اب بھی یہی کہے

جاؤگے کہ عورت نہیں ہے"؟

کوئی نہیں بالکل غلط ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے وہی رات کا قصہ پیش ہے"

"جو تم کہو وہ صحیح ہے۔ کہہ چکی کہ میرا مذہب ہو تو تم ہو اور ایمان ہو تو تم ہو مگر میں اب بغیر اپنی آنکھیں پھوڑے نہ رہوں گی۔ میرا مذہب ہے کہ اگر ایک چیز میری آنکھیں دیکھیں کہ ہے مگر تم کہو کہ نہیں ہے تو میری آنکھیں جھوٹی اور تم سچے۔ شاید میری آنکھوں نے بھی نوکرانیوں کی آنکھوں کی طرح دھوکا کھایا ہو۔ لہذا ایک دفعہ اور آزمالوں" یہ کہتی ہوئی اٹھی اور کھڑکی سے باہر جا کر جھانکا۔ انگلی سے ہمیں اشارہ کیا۔ ہم بھی گئے

"وہ دیکھو میری آنکھیں تو اب بھی مجھے دھوکا دے رہی ہیں" اشارہ سے بتاتے ہوئے کہا۔ ہم نے جو کھڑکی میں سے باہر کو نظر ڈالی تو بیشک اپنی بیوی کا کہنا ٹھیک پایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ برآمدہ میں ایک عورت کھڑکی کی طرف پشت کئے کھڑی آئینہ دیکھ رہی ہے۔ اُسکے لمبے لمبے بال اسکی کمر تک لٹک رہے ہیں۔ جنکو وہ اپنے نازک اور گورے ہاتھوں سے سلجھا رہی ہے اور جھٹک رہی ہے۔ سفید ساری باندھے ہے صرف سر اور کہنیوں تک ہاتھ کھلے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ بہت حسین ہوگی۔ ہم نے یہ نظارہ دیکھ کر بیوی کی طرف دیکھا تو اُسنے عجیب پُر درد اور مغموم لہجہ میں کہا "کیا بتاؤں میرا اسوقت کیا حال تھا۔ جب میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ تم ہنس ہنس کر اسکے بالوں میں ہاتھ ڈالے کھیل رہے ہو"

بجائے اسکے کہ ہم کچھ جواب دیتے۔ ہم نے بیوی کا ہاتھ پکڑا۔ اور کمرہ

میں لائے گلے سے لگا کر بیوی سے خوشامد کر کر کے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی"

"خدا کے لئے مجھے گنہگار نہ کرو میں بھلا اس لائق کہ تم مجھ سے معافی مانگو یہ کوئی بات نہیں۔ جب ہماری خطا ہے تو ہم کیوں نہ معافی مانگیں"

راضی ہو کر بیوی نے کہا "اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے مجھ سے رات کو ہی کیوں نہ کہہ دیا"

محض حماقت اور بیوقوفی یہی خیال تھا کہ تم کو ناگوار گذرے گا"

"میں یہ کہتی ہوں کہ جس میں تم خوش۔ اسی میں میں خوش۔ اے میرے خدا خوش رہو۔ خدا کے واسطے مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔

ہم نے وعدہ کر لیا اور کہا کہ ہم تو تم سے اصل واقعہ خود ہی کہنے والے تھے کیونکہ ہمیں تم کو اس عورت سے ملانا تھا۔ اب ہم تم سے ایک بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہ تم اس سے چل کر ابھی مل لو تاکہ تمہارا دل ہلکا ہو جائے۔

"ملنے میں مجھے کوئی انکار نہیں مگر ابھی ؟"

"ہاں ابھی اور اسی طرح۔ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو جو میں کہوں وہ کرو۔ لو اٹھو"

یہ کہہ کر ہم نے بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کہا "وہیں باہر ہی چل کر مل لو سوائے اسکے اور اسوقت کوئی نہیں ہے"

ہماری شریر مگر معصوم اور وفادار بیوی ہمیشہ ہمارے اشارہ پر چلتی تھی سیدھی ہمارے ساتھ ہو لی۔ ہم بجائے دروازہ پر آنے کے اس

زینہ سے اُترے جو خاص اس برآمدہ میں نکلتا تھا۔ یہاں سردار صاحب تھے ہم نے بیوی کو یہیں چھوڑا اور چپکے سے کمرہ میں جھانک کر دیکھا کہ سردار صاحب کدھر ہیں۔ سردار صاحب کمرہ میں سڑک کی طرف والے دروازہ میں ہماری طرف پشت کئے ہوئے بالوں کو ہوا دے دے کر سکھا رہے تھے۔ ہم فوراً لوٹ آئے اور بیوی کو آگے کیا۔ بیوی کی نظر سامنے والے قد آدم آئینہ پر پڑی اور وہ ایکدم سے ذرا رُکی کہ نظر داہنی طرف پڑی۔ اندر آئیں تو دیکھا کہ وہی عورت اسطرف منہ کئے بال سکھا رہی ہے۔ ذرا آگے بڑھی کہ سردار صاحب نے ذرا پیر کی آہٹ پا کر منہہ جو پھیرا تو ڈیڑھ بالشت کی داڑھی والا چہرہ سامنے تھا۔ گھبراہٹ میں سردار صاحب کے منہ سے صرف اتنا نکلا "میں!!" ہم نے جو مڑ کر دیکھا تو بیوی ندارد۔

سردار صاحب حیران و پریشان تھے اور ادھر مارے ہنسی کے ہمارا یہ حال کہ ہنستے ہنستے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ جتنا بھی سردار صاحب خفا ہو کر ہم سے پوچھتے تھے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے اتنا ہی ہم اور ہنسی کو بار بار ضبط کر کر کے اور دم لے لے کر قصہ بتایا کہ جناب آپ تو کھڑکی کی طرف پشت کئے ہوئے کنگھا کر رہے تھے اور ہم آپکے ریشمی بالوں سے ہنس ہنس کر کھیل رہے تھے۔ ہماری بیوی نے داڑھی دیکھی یا نہیں یہ ہم نہیں کہہ سکتے کیونکہ آپ کا منہ دوسری طرف تھا مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ آتش رشک میں جل مریں۔ اور رو رو کر وہ حال کیا کہ خدا کی پناہ۔ خدا آپ کی داڑھی کی عمر دراز کرے اور ابھی وہ خوب پروان چڑھے کہ اسنے آج میاں اور بیوی میں ناچاقی ہوتے

ہوتے بچالی۔ وہ یہاں دراصل اس عورت سے ملنے آئی تھی جس کو انھوں نے کھڑکی میں سے اپنی طرف پشت کئے ہوئے سفید ساڑھی باندھے برآمدہ میں بال سکھاتے دیکھا تھا اور جس کے بالوں سے مجھے ہنس ہنس کر کھیلتے دیکھا تھا۔ اب یہ ان کی قسمت ہے کہ آپ نے جو منہ موڑا تو ڈیڑھ بالشت کی داڑھی کا کچھ ایسا رعب چھایا کہ بھاگتے ہی بن پڑی۔

سردار صاحب کو بھی یہ لطیفہ سنکر بیحد ہنسی آئی مگر ہمارے تمام فقرے اب سب طرح چست ہو رہے تھے۔ اور سردار صاحب بیحد جھیپ رہے تھے۔

ہم جو اندر گئے تو بیوی صاحبہ لیٹے ہیں دیکھ کر پھر کمبل میں منہ چھپا لیا۔ ہم نے پاس جا کر گدگدایا تو بیوی کو مارے ہنسی کے بیحال پایا۔ ہم نے کہا "تم کس قدر بداخلاق ہو کہ اس عورت سے بات بھی نہ کی۔ وہ کیا کہتی ہوگی کہ کیسی تمیز دار بی بی ہیں"

اسکے بعد ہی وہ رات کی غلط فہمی بھی دور ہو گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ رات کو بجلی کی روشنی میں کمرہ میں جو عورت جھانکتی تھی تو سامنے قدآدم آئینہ میں اس کو اپنا عکس نظر پڑتا تھا۔ رات کے وقت یہ یہ تو تمیز ہوتی نہ تھی کہ کون ہے اور پھر جلدی میں محض ایک جھپک دیکھ کر بھاگ جاتی تھیں۔ یہ معمہ ہماری بیوی نے حل کیا۔ کیونکہ جیسے ہی وہ

کمرہ میں داخل ہوئی تھی تو وہ خود اپنا عکس دیکھ کر ایک منہ کے لئے جھجک گئی تھی - چنانچہ جب نوکرانیوں کو دن کے وقت بھیجا کہ جا کر دیکھو وہ عورت ہے کہ نہیں تو ان کو اپنی حماقت کا پتہ چلا - بات دراصل یہ تھی کہ اس کمرہ میں نوکرانیوں کا کم گذر ہوتا تھا -

---

اب سردار صاحب بیوی سے ملاقات کرنے کو راضی ہی نہ ہوتے تھے اور نہ بیوی راضی ہوئیں - سردار صاحب کہنے لگے کہ اب کی مرتبہ جب آئیں گے تب ملاقات کریں گے -

غرض آج تک ہمارا تقاضا ہے مگر سردار صاحب ملاقات پر تیار نہیں - جب اور دوستوں کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو سردار صاحب جگہ جگہ تنگ کئے گئے اور اب تک برابر تنگ کئے جاتے ہیں - یہ واقعہ انکو یار دوستوں میں شرما دینے کے لئے کافی ہے -

نانواں باب

لاہور کا سفر

ہماری بیوی کا تقاضا تھا کہ لاہور کی سیر کریں۔ لہذا دسمبر کی چھٹیوں میں ہم لاہور گئے۔ ہم نہیں بتائیں گے کہ ہم کس جگہ ٹھہرے۔ مگر خوب سیر کی۔ چلنے سے ایک روز پیشتر ہم نے اپنی بیوی سے کہا کہ بغدادی چور کا مشہور فلم آیا ہوا ہے کیا تو دیکھے گی۔ چونکہ ہماری بیوی کے مزاج میں سیر و تفریح سمائی ہوئی تھی۔ لہذا فوراً ہی تو راضی ہوگئی۔ بدقسمتی سے ہم دونوں سینما ایسے تنگ وقت میں پہونچے کہ بمشکل اول درجہ میں جگہ ملی۔ اور وہ بھی بدقسمتی سے ایسی کہ ادھر ہم اور ادھر بیوی اور بیچ میں ایک پگڑباز جو بہت ہی سخت خطرناک قسم کا بڑا سا صافہ باندھے ہوئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ صاحب آپ اپنی جگہ ہماری جگہ سے بدا [illegible] بڑی عنایت ہو تاکہ ہم اپنی بیوی کی معیت کا لطف اٹھا سکیں۔ [illegible] مزاجی سے پیش آئے اور نوبت گفت و شنید تک پہونچ [illegible] خوبی یا اتفاق کہ آگے کی صف سے ایک [illegible] ے

اوران کی جگہ خالی ہوئی ہم نے اون سے کہا کہ حضرت ؟...... آگے بڑھیئے چنانچہ وہ پگڑہ باز آگے جا بیٹھے - اور ہماری بیوی انکی جگہ آبیٹھی - اور اسکی جگہ ایک اور صاحب نے پیچھے سے آکر لے لی - یہ صاحب بہت شائستہ اور معقول آدمی معلوم ہوتے تھے - یہ لاہور کے ایک نئے ہندو وکیل تھے - اب معلوم ہوا کہ ہماری بیوی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا - کیونکہ سامنے زبردست پگڑی تھی - ہم نے نہایت ادب سے ان حضرت سے بیکار کہا کہ حضرت آپ صافہ اتار لیں - وہ نہ مانے اور ہماری بیوی نے تنگ آکر ہمکو بھی نہ دیکھنے دیا - اور باتوں میں مشغول کر لیا - وہ چپکے چپکے کہہ رہی تھی کہ ان پگڑ باز سے بدلہ لو اور انکا صافہ گھسیٹو - ہم کہہ رہے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو آج ماری جائے گی اور ہمیں بھی ذلیل کرائے گی - وہ کہتی تھی کہ آخر پھر کیا کیا جائے - وکیل صاحب ہماری بیوی کی تجویزوں میں بہت دلچسپی لے رہے تھے - مگر یہ رائے انکی بھی تھی کہ تم عورت ہو شرارت کرنا مناسب نہیں تو اسکا جواب ہماری شریر بیوی نے یہ دیا کہ حضرت پھر آپ ہی مرد بنیئے - اور کسی طرح انکا صافہ اتروائیے وکیل صاحب نے خود ان پگڑ پسند حضرت سے کہا کہ صافہ اتار ڈالیے - یا کوئی اور ترکیب کیجئے مگر وہ نہ مانے -

(۱)

ہماری بیوی ہم کو تماشہ دیکھنے ہی نہ دیتی تھی - ہماری کرسی کے تکیہ پر بایاں ہاتھ رکھے ہوئے ہماری ٹوپی کے پھندنے سے کھیل رہی تھی - اور باتوں میں لگائے ہوئی تھی - ہم کہہ رہے تھے کہ نہ تو خود تماشہ دیکھتی

ہے اور نہ ہمیں دیکھنے دیتی ہے۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ اتنے میں اُسنے کہا کہ باہر چلو چائے پئیں۔ ہم نے انکار کیا اور کہا کہ تو جا اور ہمیں دیکھنے دے وہ چلی گئی اور وہاں سے جو واپس آئی تو اُسکے ہاتھ میں ہماری ٹوپی کے پھندنے کے دو ڈورے تھے۔ جو فتیلہ کی طرح سلگ رہے تھے۔ ایک انمیں سے اُسنے وکیل صاحب کو دیا۔ اور ایک اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہم نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو اوسنے نہ بتایا۔ ہاتھ بڑھا کر اسنے ان پنجرہ باز حضرت کی گردن پر سلگتا ہوا کنارہ اس ڈورے کا چھوا دیا۔ بس ہم کیا بتائیں کہ انھوں نے کس صفائی سے اپنی گدی جھاڑی گویا کہ ان کی گردن میں کسی کیڑے نے ڈنگ مار دیا۔ جیسے ہی انھوں نے مڑ کر دیکھا تو ہماری بیوی نے وکیل صاحب سے کہا کہ وکیل صاحب آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ وکیل صاحب نے اس مذاق سے کافی دلچسپی لی۔ پنجرہ باز حضرت اس مذاق کو پی گئے اور سوائے دو ایک مرتبہ سر ہلا ہلا کر وکیل صاحب کو دیکھنے کے کچھ نہ کیا۔ اب ہماری بیوی نے پھر یہی کرنا چاہا۔ ہم نے بہت کچھ کہا۔ کہ کمبخت تو مار کھائیگی اور تیری شامت آرہی ہے مگر وہ نہ مانی اور اُسنے پھر ایک چرکہ دیا۔ ابکی مرتبہ تو وہ بل کھا گئے۔ غل تو مچا نہ سکتے تھے۔ نمعلوم کیا کیا پھُسپھُسانے لگے۔ مگر سخت برہم تھے۔ وکیل صاحب نے جو دیکھا۔ کہ معاملہ میرے اوپر آرہا ہے تو انھوں نے ہاتھ کا فتیلہ پھینک دیا۔ مگر پنجرہ باز نے اسکو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ یہی خیال کر رہے تھے کہ شرارت وکیل صاحب کی ہے۔ کیونکہ ہماری بیوی بالکل بھیگی بلی بنی بیٹھی تھی۔ اور بار بار کہتی تھی کہ

ایسا نہ کرنا چاہیے۔ بُری بات ہے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت پگڑ باز ہوشیار ہو کر بیٹھے تھے اور غافل نہ تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وکیل صاحب نے اوٹھکر ایک صاحب سے سگرٹ مانگنا چاہا۔ یہ صاحب ان پگڑ باز کے بائیں ہاتھ کو بیٹھے ہوئے تھے وکیل صاحب نے اوٹھکر ہاتھ جو لمبا بڑھایا کہ پگڑ باز نے جو بالکل ہوشیار بیٹھے تھے گھما کر ایک ہاتھ بغیر دیکھے بھالے اندھیرے ہی میں ایسا وکیل صاحب کے دیا کہ انکی کنپٹی پر پڑا۔ لازمی امر تھا کہ وکیل صاحب بھی اس کا جواب دیتے۔ اور انھوں نے زور سے ایک پگڑ ی پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ انکے گلے میں اتر آئی پگڑ باز کا جام صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اور وہ بلائے بے درمان کی طرح غل مچا کر کود کر ہماری صف پر گرے اور وکیل صاحب سے غلغپ ہو گئے۔ ایک ہلڑ مچا اور روشنی ہوئی۔ ایک انگریز سارجنٹ نے آکر مداخلت کی۔ ہماری بیوی نے اور پڑوسیوں نے ان پگڑ باز کی جھوٹی سچی شکایت کی۔ وہ حضرت سارجنٹ سے بھی سختی سے پیش آئے۔ جسکا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ حضرت پکڑ کر نکالے گئے۔ اور پھر ہماری بیوی نے بقیہ کھیل اطمینان سے دیکھا۔

کھیل ختم ہوا تو وکیل صاحب سے ہم نے اپنی بیوی کی شرارتوں کی معذرت چاہی۔ مگر وکیل صاحب ہماری بیوی کی شرارتوں کے قائل ہو چکے تھے اور انھوں نے ہمارا نام و پتہ مفصل دریافت کیا اور اپنا پتہ بتا دیا اور اپنے یہاں دوسرے روز چائے پر مدعو کیا۔ ہم نے تو معذرت چاہی۔ مگر

ہماری بیوی نے بات کاٹ کر کہا کہ نہیں صاحب ہم اس خدمت کے لئے حاضر ہیں اور ضرور آپکے یہاں آئیں گے۔ بڑی گرمجوشی سے وکیل صاحب ہم سے پختہ وعدہ لیکر رخصت ہوئے۔

شام کو ہم وکیل صاحب کے یہاں پہونچے۔ جہاں بہت پرتکلف چائے پی اور کئی ایسے صاحبوں سے اور ملاقات ہوئی کہ اگر ان سے نہ ملتے تو افسوس ہی رہ جاتا۔ اسی رات کو ہم لاہور سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔

(۲)

واپسی پر دو روز دہلی میں ٹھہرے اور خوب سیر کی۔ ہم نے بیوی سے کہا کہ تیری سیر سپاٹے کی نذر ہم دو سو روپیہ سے زائد کر چکے ہیں اور اب تجھکو تیسرے درجہ میں سفر کرائیں گے۔ قصہ مختصر بہ نظر کفایت یہ طے ہوا کہ یہاں سے انٹر کلاس کا ٹکٹ لیا جائے۔ بدقسمتی سے دہلی کے اسٹیشن پر ہماری بیوی کی ایک ملنے والی ملگنیں جو علی گڈھ جا رہی تھیں اور ہماری بیوی نے کہا کہ ہم اب زنانہ درجہ میں سفر کرینگے۔ ہم ہمیشہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی بٹھانا پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ اسوجہ سے بٹھاتے ہیں کہ مال عرب پیش عرب مگر دراصل ہم بانونی زیادہ ہیں اور پھر بیوی کے ساتھ جو باتیں کرنے میں مزہ آتا ہے وہ کسی میں نہیں۔

ہم سوچتے تھے کہ علی گڈھ کے بعد بیوی کا ساتھ ہو جائے گا۔ مگر بدقسمتی سے مردانہ درجہ میں جگہ کی اسقدر قلت ہوئی کہ بیوی کو ساتھ بٹھانے کا خیال ہی ترک کرنا پڑا۔ ہم نے جو بیوی سے سیکنڈ کلاس میں چلنے

کو کہا تو وہ راضی نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کو خود خیال تھا کہ بہت روپیہ اٹھ چکا ہے بدقسمتی پر بدقسمتی تھی۔ اچھی بیوی اور اچھا مسافر ساتھی مشکل ہی سے ملتا ہے۔ علی گڈھ کے بعد تو ہمیں دوزخ کے مزے آرہے تھے۔ کیونکہ دو تین سیٹھ صاحبان آبیٹھے تھے جو تجارت کی اسقدر نامعقول باتیں کر رہے تھے کہ ہم سرسوں اور تل کا نرخ سنتے سنتے تنگ آگئے اور ہمیں کہنا پڑا کہ حضرت یہ ریل ہے اور دوکان نہیں کہ آپ صاحبان تمام خرید و فروخت کے قصے یہاں سنائیں۔

ٹونڈلہ کا اسٹیشن آیا اور ہم اپنی بیوی سے خوش غپیاں کرنے پھونچی بیوی نے خواہش ظاہر کی کہ کہیں عمدہ کیک ملیں تو بہتر ہے۔ ہم کیک کی تلاش میں ویٹنگ روم کے ہوٹل کی طرف چلے۔ بھیڑ بھاڑ میں تھوڑی ہی دور گئے ہونگے کہ سامنے سے پرانا یار آتا نظر پڑا۔ ہم دوڑ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا کہ بھئی خوب ملے۔ کہاں جارہے ہو کہاں سے آرہے ہو کیسے ہو اور کہاں ہو۔ یہ دو چار جملے تھے۔ جنکے سوال و جواب دونوں طرف سے ہوئے۔ دو چار ہی باتیں ہوئی تھیں کہ حامد نے ہم سے کہا "یار ایک بڑی زوردار لڑکی دیکھنے میں آئی ہے"۔ ہم نے متعجب ہو کر دریافت کیا کہ "کہاں ہے"

حامد نے کہا زنانہ درجہ میں جمی ہوئی ہے۔ ارے یار کیا بتاؤں کہ برابر قریب قریب ہر اسٹیشن پر اسے دیکھنے کے لئے اترتا ہوں۔ مگر جونہی پاس پہونچتا ہوں وہ ظالم منہ پھیر لیتی ہے۔ بھئی کیا کہوں غضب کی لڑکی

ہے" حامد یہ کہتے ہوئے ہمیں لیکر دکھانے چلے۔

ہم دل میں سوچ رہے تھے کہ آخر وہ کون لڑکی ہے جسنے یہ ستم ڈھا رکھا ہے کیونکہ ہمیں تو اب تک نظر نہ پڑی تھی۔ ہم دونوں تیزی سے زنانہ درجہ کی طرف پہونچے۔ کچھ دور کھڑے ہو کر حامد نے کہا "وہ دیکھو سیاہ برقعہ کی نقاب سر پر ڈالے منہ کھولے بیٹھی ہے۔ کہو کچھ ہے زوردار"؟

ہم بھلا سوائے اسکے اور کیا جواب دیتے کہ ہیں لڑکی واقعی زوردار ہے کیونکہ دراصل جس کو اس اہتمام سے میاں حامد نے دکھایا تھا وہ ہماری بیوی ہی تھی۔ ہم نے دل میں کہا کہ حامد بہت دن بعد ملا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکو تختہ مشق بنائیں۔ لہذا ہم نے حامد سے کہا کہ ہیں ہم پاس جاکر ذرا دیکھیں تو صحیح رائے قائم کرسکیں۔

کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا ورنہ وہ ظالم منہ موڑ کر بیٹھ جائے گی اور پھر اس سے بھی جاؤ گے" حامد نے یہ کہکر ہمیں روکا۔

ہم نے حامد سے کہا کہ "یار یہ تو بڑی تیز ہی بات ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ تم ہر اسٹیشن پر اتر کر اسکے پاس گئے۔ کچھ ڈورے بھی ڈالے"

حامد جل کر بولے "تم بھی عجب احمق ہو۔ صورت تک تو وہ دکھاتی نہیں، ڈورے کیا خاک ڈالتے"

ہم نے حامد سے کہا کہ تم ہمیشہ کے احمق ہو اور تم سے کچھ نہیں ہوسکتا حامد نے اسکا یہ جواب دیا کہ اچھا اگر تم عقلمند ہو تو کچھ کرلو۔ ہم نے دل میں سوچا کہ حامد ٹھہرے پرانے ہے۔ لہذا ہم نے کہا کہ یوں نہیں کچھ شرط رہے

حامد نے کہا رہی۔ ہم نے کہا کہ ہم اُس پٹاخہ سے اگر پان اینٹہ لائین تو کیا دوگے۔ حامد نے تاؤ میں آکر ایک پانچ روپیہ والا نوٹ نکالا۔ اور ہم نے اسکو اپنی جیب میں رکھا اور چلنے کو ہوئے۔ حامد ایکدم سے بولے "یاد رکھنا دوگنے لیلوں گا"۔ ہم رک گئے اور ہم نے حامد سے کہا۔ دوست یہ جھوٹی بات ہے"۔ ہم تو یکطرفہ شرط بدتے ہیں۔ پان لے آئیں تو نوٹ ہمارا ورنہ اپنا نوٹ جوں کا توں واپس لے لینا"۔ حامد اس پر راضی ہو گئے۔ ہم نے دونی شرط اسوجہ سے نہ بدی کہ کہیں حامد کو شبہ نہ ہو جائے اور معاملہ بگڑ جائے۔

(۳)

ہم..... آہستہ آہستہ کھڑکی کے سامنے سے بیوی کو دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ ہماری بیوی بھی گویا پھلجڑی ہے کہ ہر بات میں اوسکو مذاق ہی نظر آتا ہے۔ ہمیں اسطرح بے تعلق جاتے ہوئے دیکھ کر بے طرح مسکرائی۔ اور دیر تک ہمیں دیکھتی رہی۔ حتی کہ ہم بھیڑ میں مل کر غائب ہو گئے۔ گھوم کر ہم حامد کے پاس آئے اور کہا کہ بولو اب کیا کہتے ہو۔

"ارے یار تو بھی عضب کا آدمی ہے! ہماری تو عقل چرخ ہو گئی۔ تم نے تو صرف اوسکو ایک ہی مرتبہ سر اوٹھا کر دیکھا۔ مگر وہ تم کو برابر دیکھتی رہی اور پھر ستم یہ کہ ہنس رہی تھی"۔

ہم نے ذرا اکڑ کر کہا کہ بھئی ہم تمہاری طرح احمق تھوڑا ہی ہیں۔ اب کی مرتبہ ہم بات کریں گے"۔

حامد کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری قسمت دھکا کھا رہی ہے۔ اور

.... کے چندر مان دیکھنا چاہتے ہو۔ اچھا جاؤ تو سہی۔ یاد رکھنا بُری طرح مارے جاؤ گے۔"

ہم پھر ٹہلتے ٹہلتے پھو پنچے۔ ادہر اُدہر مشکوک نظروں سے بن بن کر دیکھتے جاتے تھے اور بیوی سے مزے دار باتیں کرتے جاتے تھے۔ اس نے جو سُنا کہ ہم اپنے ایک دوست پر شرط رکھ رہے ہیں تو بہت خوش ہوئی۔ ہم نے ایک پان اس سے اسطرح جھپٹا کہ جیسے کوئی دیکھ نہ لے اور چلے آئے۔

اب حامد سخت چکر میں تھے اور کہنے لگے "یار تمہیں کچھ جادو آتا ہے" یہ کہ کر بے بسی کے عالم میں پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر معاملہ پر غور کرنے لگے ہم نے نوٹ کو جو ہم جیت گئے تھے۔ جیب میں سے نکالا اور آگے بڑھ کر انکے سامنے کرکے اُس کو ایک بوسہ دیا۔ حامد ہنسکر بولے "ہاں بھئی ہم ہار گئے نوٹ تمہارا ہے۔ مگر یہ ضرور کہیں گے کہ ہو چھپٹے ہوئے۔"

ہم نے کہا کہ تم غلطی پر ہو ہماری اسمیں کچھ چالاکی نہیں۔ بلکہ یہ تو ہمارا مردانہ حسن ہے کہ ایسی ایسی چھوکریاں معلوم کتنی روزانہ فدا ہوتی ہیں۔"

حامد نے کہا "استاد بن آئی ہے۔ جو جی چاہے کہو۔ اب پھر جاؤ گے"

ہم نے کہا "اب ہم جانا ٹھیک نہیں خیال کرتے۔ کیونکہ وہ ہم سے کیک مانگ رہی ہے۔"

"اچھا کھاؤ قسم" حامد نے متعجب ہو کر کہا۔ ہم نے فوراً قسم کھالی کہ واقعہ تھا کہ وہ کیکوں کا سخت تقاضا کر رہی تھی۔ حامد اسپر بولے "بھئی

کیوں نہیں آئے۔ جبکا ہم نے یہ جواب دیا کہ ہم ایسی بے وقوفی ہرگز نہ کریں گے ایسا ہی ہے تو تم خود دے آؤ۔ حامد نے تیاری ظاہر کی۔ بشرطیکہ ہم جاکر معاملہ ٹھیک کر دیں۔ ہم دوڑتے ہوئے بیوی کے پاس پہونچے اور اوسکو خوشخبری سنائی کہ دوست تمہاری دعوت ہمارا دوست کر رہا ہے اور چوکنا مت کیک فوراً لے لینا۔

حامد کیک تو لے آئے مگر اب انکو ڈر لگا کہ کہیں کوئی مرد نہ ہو۔ ہم نے کہا کہ اسکے ساتھ کوئی مرد نہیں کیونکہ وہ اکیلی سفر کرنے کی عادی ہے۔ تم بے خوف جاؤ مگر حامد راضی نہ ہوتے تھے۔ ہم نے کہا اچھا تم کیک لئے ہوئے سامنے سے گاڑی کے گذرو اگر مانگے تو دینا ورنہ چلے آنا۔

حامد کھڑکی کے سامنے سے کیک لے کر نکلے اُدھر ہم نے اپنی شریر بیوی کو اشارہ کیا۔ اسنے فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لئے۔ اور شکریہ بھی ادا نہیں کیا بلکہ اُنکے ہاتھ میں ایک پان بھی دے دیا۔

حامد جو ہمارے پاس آئے تو کیا بتائیں کیا حال تھا۔ ہماری بیوی کے حسن و رنگت کی انہوں نے وہ وہ تعریف کی کہ ہم شکریہ ادا کرتے کرتے تھک گئے۔ کیونکہ ہم حامد سے کہہ رہے تھے کہ وہ ہماری ہی۔ گاڑی چلنے کو ہوئی تو ہم نے بھی حامد کے ساتھ اپنا ٹکٹ دوسرے درجہ کا بنوا لیا۔

(۴)

اب حامد دوسرے تیسرے اسٹیشن پر ضرور ہماری بیوی کے پاس جاتے۔ ہم بیوی سے کہہ آئے تھے کہ حامد ہمارا ایسا دوست ہے

کہ اس سے ذرہ بھر بے تکلفی نہ کرنا اور ساتھ ہی شرارت میں بھی کمی نہ کرنا حامد کے ساتھ ایک مرتبہ ہم بھی جو اُترے تو کہنے لگے کہ دو آدمیوں کا جانا ٹھیک نہیں۔ تم یہیں ٹھہرو ورنہ وہ پھر بات بھی نہ کرے گی۔ ہم نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو ہم تمام معاملہ خراب کئے دیتے ہیں ورنہ تم ہمیں اُس سے جا کر گفتگو کرنے دو۔ ہم اپنی بیوی کے پاس پہونچے۔ جسکی شرارت آمیز مسکراہٹ ہمارے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔ ہم نے جاتے ہی کہا کہ کہو دوست کیا رنگ ہے۔ اسپر اسنے اپنے کوٹ کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال کر نکال کر کہا کہ ہم تو حامد صاحب کے ساتھ الہ آباد جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا "واہ دوست یہ تم نے کیونکر اینٹھا" تو اسنے کہا کہ روپیہ کا بوجھ زیادہ تھا۔ میں تم سے دو مرتبہ کہہ چکی تھی کہ نوٹ بھنالو مگر تم نے پروا نہ کی۔ حامد صاحب کے بٹوے میں جو انہوں نے کھولا تو یہ نظر پڑا لہذا ہم نے فوراً کہا کہ روپیہ لیجئے اور نوٹ دے دیجئے۔ نوٹ تو وہ دیگئے۔ مگر روپیہ جلدی میں نہ لے سکے۔ ہم نے نوٹ لیکر جیب میں رکھا اور کہا کہ اب آئیں تو انکو ایک پڑیا دینا۔ بیوی کی مارے خوشی کے رنگت بدل گئی۔ اور کہنے لگی ضرور ضرور مجھ کو تو یاد ہی نہ رہا تھا۔

ہم جو واپس آئے تو حامد نے دریافت کیا کہ کیا باتیں کر آئے۔ ہم نے کہا کہ ہم نہ بتائیں گے۔ کیونکہ راز و نیاز کی باتیں کر کے آرہے ہیں۔ حامد نے کہا تم بدتمیز ہو وہ شریف لڑکی ہے تم اس سے راز و نیاز کی باتیں کر ہی نہیں سکتے۔ نوٹ وغیرہ کا قصہ ہی ہم نے حامد سے نہ کہا۔

(۵)

کانپور کا اسٹیشن آیا اور ہم نے حامد سے کہا کہ تم ہمارا اسباب اتروانا ہم ذرا اوسکو اتروائیں۔ حامد نے کہا کہ کیا واقعی تم اسکو تالے لے رہے ہو وہ توالہ آباد جا رہی تھی۔ تمکو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے۔ ہم نے کہا کہ بالفعل تو ہم اسکو لکھنؤ کی ہوا کھلائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے ہم چلے گئے۔ حامد کو اس گاڑی سے سیدھا جانا تھا۔ لہذا ہمارا اسباب اتروا کر وہ وہیں کھڑے تھے۔

ہم اپنی شرارت مآب بیگم صاحبہ کو لے کر حامد کی طرف آئے ہماری بیوی اس وقت اپنا بڑا گرم کوٹ پہنے ہوئے ہمیں ایسی اچھی معلوم ہو رہی تھی کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ حامد نے کچھ منہ سا پھیر لیا۔ مگر ہم آگے بڑھے اور ہم نے کہا کہ حامد اب مذاق ختم ہوتا ہے۔ اور ہماری بیوی سے تم باضابطہ ملاقات کرو۔ یہ کہہ کر ہم نے اپنی شریر بیوی کا حامد سے تعارف کرایا۔ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اور خاموش تھے گویا انکار کر رہے تھے۔

ہم نے کہا یار تم کو پرانی باتیں بھی یاد ہیں۔ اس شریر لڑکی بھول گئے۔ جس نے ایک روز کھڑکی کے سوراخ میں سے ہماری اور تمہاری آنکھوں میں مٹی جھونکی تھی۔ حامد نے ہماری بیوی کو غور سے دیکھا۔ اور حالانکہ ایک ہی مرتبہ دیکھا تھا۔ مگر فوراً پہچان گئے اور پھر تو اس گرمجوشی سے ملے کہ بیان سے باہر۔ اور کہا کہ

میں پہچان گیا ۔ پہچان گیا ۔ ہماری مسخری بیوی نے کہا کہ اگر آپ جلدی
پہچانتے تو آپ کا حلق ہی کیوں کڑوا ہوتا ۔ حامد سے ہم نے بہت کہا
تھا کہ لکھنؤ چلو مگر وہ نہ مانتے تھے ۔ ہم نے اپنی بیوی سے کہا کہ ان کو
پکڑ کر ضرور لے چلو ۔ ورنہ ہم انہیں اپنی شادی کا دلچسپ تذکرہ نہ
سنائیں گے ۔

القصہ حامد ہمارے ساتھ لکھنؤ دو روز رہے ۔ اور ہم نے یہ دو روز
اپنے دوست کے ساتھ بیحد لطف سے گذارے ۔ تیسرے روز حامد
ہمیں ہماری دلچسپ بیوی ملنے پر مبارکباد دیتے ہوئے رخصت
ہوئے مگر اسکے ضرور قائل تھے کہ ریل میں انہیں بیوقوف بنایا [illegible] انہوں نے
انکے شرط کے روپیہ اور سو روپیہ کا نوٹ [illegible] میں ڈال [illegible]
دیا تھا ۔ ہماری بیوی کو انھوں نے جو گھڑی بطور تحفہ دی وہ سونے کی
تھی ۔ مگر اسکی پشت پر انھوں نے اس سفر کی یادگار اسطرح قائم کی کہ یہ
الفاظ کندہ کرا دیئے ۔

"حامد کی طرف سے تحفہ اپنے پیارے دوست کی پیاری مگر سخت شریر بیوی کے لئے"

ترجمہ کے حقوق محفوظ ہیں

بقلم محمد فاضل کاتب [illegible]